بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم

محمد رسول اللہ

افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب

موت کیا ہے اُن ہی اجزاء کا پریشاں ہونا

تخلیقِ آدم علیہ السلام

عرف

انسانِ کامل

مصنّف

خاکپائے پیر فہمی خواجہ شیخ محمد فاروق شاہ قادری الچشتی افتخاری

معروف پیر عفی عنہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب

موت کیا ہے اُن ہی اجزاء کا پریشاں ہونا

تخلیقِ آدم علیہ السلام

عرف

انسانِ کامل

مصنّف

خاکپائے پیرِ ہی خواجہ شیخ محمد فاروق شاہ قادری الچشتی افتخاری

معروف پیر عفی عنہٗ

منجملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں

ارکان

کتاب کا نام : تخلیق آدم عرف انسان کامل

مصنف : خواجہ شیخ محمد فاروق شاہ قادری الچشتی افتخاری معروف پیر

نوعیتِ اشاعت : باراول

تعدادِ اشاعت : ۵۰۰ (پانچ سو)

مقامِ اشاعت : بموقع عرس حضرت پیر عادل بیجاپوریؒ (بیجاپور شریف۔کرناٹک)

تاریخِ اشاعت : یکم اپریل ۲۰۰۸ء بمطابق ۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

طباعت : ڈیسینٹ آرٹ 9867 914 724 / 022- 641 80700

قیمتِ کتاب : ۵۰/ روپے

کتاب ملنے کے پتے

حضرت پیر فہمی، خانقاہِ قادری الچشتی عادل فہمی نوازی، عادل نگر، آکاش وانی گیٹ نمبر ۷

مالونی کالونی، ملاڈ (مغرب)، ممبئی ۹۵

افسر شاہ قادری، بھگت سنگھ نگر نمبر ا، لنک روڈ، گوریگاؤں (ویسٹ) ممبئی۔۱۰۴

عبداللہ شاہ قادری، غریب نواز نگر، کوکری آگار، ایس۔ایم روڈ، انٹاپ ہل ممبئی۔۳۷

شیخ شاہین شاہ قادری، ہاؤس نمبر 9-8-109/A/76، گول کنڈہ، صالح نگر، کنچہ، حیدرآباد

محمد مولا علی شاہ قادری، B2/10/2، سیکٹر نمبر 15، واشی، نئی ممبئی 703

ناصر قادری، محمدی لونڈری، حوابی کی چال، عیدگاہ میدان، جوگیشوری (ایسٹ) ممبئی۔۶۰

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	کارہائے نمایاں	۴
۲	اظہارِ تشکر	۶
۳	انتساب	۷
۴	انسان ایک نسخۂ جامع ہے	۹
۵	نظریۂ آدمؑ اور شیخ اکبرؒ	۱۲
۶	نامِ محمدؐ پر آدمؑ کا جسم مبارک	۱۶
۷	تعمیرِ آدم علیہ السلام	۱۸
۸	تخلیقِ آدمؑ میں سات قسم کی مٹی	۲۱
۹	تخلیق آدم میں سات قسم کے پانی	۲۸
۱۰	خاکِ آدم علیہ السلام میں سات کثافتی ولطافتی نہروں کا صدور	۳۱
۱۱	جسم انسانی میں سات رنگ کا سات پانی	۳۲
۱۲	بابا آب ریزؒ کا آدمؑ کے خمیر میں پانی ڈالنا	۳۳
۱۳	تخلیق آدمؑ میں سات طرح کی ہوائیں	۳۴
۱۴	تخلیق آدمؑ میں مختلف سات قسم کی آگ	۴۱
۱۵	نورِ محمدی پیشانی آدمؑ میں	۴۴
۱۶	روح کا آدم علیہ السلام کے قالب میں داخل ہونا	۴۷
۱۷	آدم علیہ السلام کی تعمیر اللہ نے یا فرشتوں نے کی	۵۲
۱۸	خلافتِ آدمؑ پر اعتراض	۵۹
۱۹	خلیفہ کے معنی	۶۴
۲۰	خلافت کیا ہے؟ خلیفہ کون؟	۶۶
۲۱	خلافت کے اقسام	۶۹
۲۲	”خلیفہ کس کو کہتے ہیں؟“	۷۰
۲۳	خرقۂ خلافت کیا ہے؟	۷۲
۲۴	حضرت آدم علیہ السلام کا علم	۷۵
۲۵	سجدۂ آدم علیہ السلام	۷۷
۲۶	سوال وجواب	۸۲
۲۷	حضرت حوا کی پیدائش	۸۵
۲۸	آدم علیہ السلام کا روئے زمین پر تشریف لانا	۸۹
۲۹	آدم علیہ السلام وحجرِ اسود	۹۹
۳۰	معرفتِ انسان	۱۰۱
۳۱	آدم سے پہلے آدم	۱۰۴
۳۲	پونر جنم (دوبارہ پیدائش)	۱۰۹
۳۳	میں کون ہوں؟	۱۱۱

بروز چہارشنبہ ۲۰ رفروری ۲۰۰۸ء

نَحمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلیٰ رَسُولِہِ الکَرِیم

میرے برادر طریق عزیز من محترمی ومکرمی جناب فاروق شاہ قبلہ کے خیالات میں قدرت اور روشنی عطا کرے اور ان کے پیر ومرشد محترم المقام عزیز من جناب پیر فہمی صاحب قبلہ کا بڑا احسان عظیم ہے کہ ایک گمنام شخصیت کو وادیءِ گمنام سے نکال کر صوفیانہ راستہ پر لا کھڑا کیا۔ اور زیور علم سے مالا مال کر دیا۔ محض اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول کے علم سے سب کے قلوب روشن ہوں۔ قبلہ کی تحریر کردہ "تخلیقِ آدم عرف انسانِ کامل" پر جب نظر پڑی تو دل کو ایک مسرت سی محسوس ہوئی اور دل سے یہ دعا نکلی کہ۔ "اور اللہ کرے زور قلم اور زیادہ" مختصر یہ کہ اس کتاب کے مطالعے سے اہل ذوق کو مزید جستجو پیدا ہو۔ یہ کتاب رہنما کتاب ہے جسکے سمجھنے کے لیے ایک رہنما کا ہونا ضروری ہے۔

میں اپنے خیالات اور معلومات کی حد تک جیسا بھی سمجھا وہ بیان سے باہر ہے اور قابل تعریف ہے۔

فقط بقلم:۔

سید عزیز الدین رضوان قادری الچشتی

حیدر آباد۔ آندھرا پردیش

بروز پیر ۲۵ فروری ۲۰۰۸ء

نَحمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلیٰ رَسُولِہِ الکَرِیم

کارہائے نمایاں

معؔروف پیر کا یہ شہکارِ قلم ہے
آدم کا راز "تخلیقِ آدم" میں ہی ضم ہے (سرفؔراز سلطانی)

محترم المقام فاروق شاہ قادری الچشتی افتخاری معؔروف پیر کی تخلیق
"تخلیق آدم عرف انسانِ کامل"
نظروں سے گزری۔ حضرت آدم علیہ سلام کے رموز کو اجاگر کئے ہیں۔ اک سعئی ناقابل فراموش ہے۔ موجودہ دور کے جدّت نواز تقاضوں کو نہایت خوش اسلوبی سے سوالات کے جوابات پیش کئے ہیں۔ قابل مبارکباد ہیں۔ فاروق شاہ قادری جن کی کاوشوں سے نئے نئے تجربات اجاگر ہوئے عصر جدید میں ایسے قلمکار ہونا قوم کے لئے فخر ہے۔
بہرحال "تخلیق آدم عرف انسانِ کامل" ایک ضخیم کتاب ہوسکتی ہے۔

خاکپائے مرشد
سید صوفی شاہ سرفؔراز سلطانی سبحانی قادری الچشتی صابری قلندری
گونڈی ممبئی ۴۳

اظہارِ تشکر

نقش بن بن کے نگاہوں میں سمانے والے
یاد آتے ہیں بہت ہم کو نبھانے والے

سانس کیا ہے تیری آمد کا یقیں ہے مجھ کو
کون کہتا ہے نہیں آتے ہیں جانے والے

لاج الفت کے لئے رسم تغافل ہی سہی
کہیں رسوا نہ کریں ہم کو زمانے والے

میں تمام خلفاء کرام و مریدین و عاشقین کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنھوں نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور دام، درم، سخن، قدم، میری مدد کی بالخصوص

"جناب شاہین شاہ قادری صاحب"

کا جنھوں نے کتاب ھذا کی چھپائی میں بھرپور زرِ تعاون فرمایا۔ لہٰذا میں تمام محسنین کے لئے بارگاہ بے نیاز میں دعا گو ہوں کہ اپنے فضل و کرم سے تمام کو نوازے۔

فقط دعا گو۔

خاکپائے پیر فہمی خواجہ شیخ محمد فاروق شاہ قادری الچشتی افتخاری معروف پیر عفی عنہ

انتساب

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

قصۂِ لا محدود کا مختصر فسانہ ہے

لا مکاں ناپنے کا آدمی پیمانہ ہے

بارگاہ احدیت میں حمد وثنا، دربار رسالت میں درود وسلام اور حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے آل واصحاب کی گلہائے مناقب وعقیدت نچھاور کرنے کے بعد حضرت پیران پیر روشن ضمیر سیدنا غوث اعظمؓ خواجہ غریب نواز ہند الولی عطائے رسولؒ وتمام مشائخین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں جن کے فیضانِ کرم سے ذہنِ قلم میں روشنائی ہیں۔

تعمیر آدمؑ میں ہزاروں راز پوشیدہ ہیں جس کے بابت قرآن مجید میں کئی مقامات پر تعمیر آدم کا تذکرہ آیا۔

شیطان نے تعمیر آدم کو دیکھا کہ آدم یوں بنے پر آدم میں نہ دیکھا کہ کیوں بنے یعنی آدم کو دیکھا پر آدم میں نہ دیکھا یہی حال آج کل کے ملائے خشک کا بھی ہے۔ خیر ہر کوئی اپنے خمیر کی خبر لے کہ وہ کس طرح بنا۔ سمجھنے کے لئے قرآن کا پیمانہ کافی ہے۔

رازِ آدم فرشتے پا نہ سکے

پردہ مرشد نے وہ اٹھایا ہے (معروف پیر)

اسی لیے کسی بزرگ نے کہا ہے کہ دورِ آدمیت کے وحدت کا نام واحد آدم ہے۔ یعنی انسانیت ذاتِ آدم ہے اور ذات کا نام بشانِ واحد آدم ہے۔

مثال کے طور پر ذاتِ اونٹ کا نام وحدتِ اونٹ ہے یعنی اونٹ کا بچہ بھی اونٹ ہے، اونٹ کا باپ بھی اونٹ ہے کیونکہ اونٹ کی وحدت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ کیونکہ اونٹ اپنے خاندان باپ، دادا، نانا، نانی کے نام ونمود سے مستثنیٰ رہا۔ اس لیے اونٹ کی وحدت ہمیشہ قائم رہی۔ مگر انسان اپنے صورت و نام کی خودی میں اور باپ دادا کی دوئی میں پھنس کر وحدتِ آدم کو کھو بیٹھا۔ یعنی ناموں کی کثرت سے وحدت ختم ہو جاتی ہے۔ کاش غیریت کی نفی کر دی جاوے تو ہر شئے بشانِ وحدت ہوگی۔ یعنی کثرت پر یقین کر کے وحدت کو بھول گیا اس لیے کہہ رہا ہے کہ ہم اولادِ آدم ہیں اور ہمارا اصل بابا آدم تھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اولادِ آدم ہی عین وحدتِ آدم ہے جیسے اولادِ اونٹ ہی عین وحدت اونٹ ہے۔

حقیقتِ آدم کو سمجھنے کے لئے پیر کامل کی رہبری و رہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔ لہٰذا میرے پیر کامل سلطان الطریقت گنج الحقیقت برہان المعرفت حضرت خواجہ شیخ محمد عبدالروف شاہ قادری الچشتی افتخاری پیر فہمی مدظلہ العالی دامت برکاتہم کا احسان عظیم ہے جنہوں نے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کی۔ عظیم دولت سے مالا مال فرما کر علم و عرفان کا دھنی کر دیا۔ آج انھیں کا فیضان ہے جو ناقص العقل کے ذہن میں وحدت و کثرت جیسے دقیق نکات با آسانی سمجھ میں آ رہے ہیں۔

فہمی پیا کی چشم عنایت کا فیض ہے
اشعار کی شکل میں حق بول رہا ہوں

کتابِ ھٰذا ''تخلیقِ آدم عرف انسان کامل'' اپنے پیر و مرشد کی بارگاہِ ولایت میں نذر کرتا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

خاکپائے پیر فہمی خواجہ شیخ محمد فاروق شاہ قادری الچشتی افتخاری معروف پیر عفی عنہ

انسان ایک نسخۂ جامع ہے

امام ربانی مجدد الفِ ثانیؒ فرماتے ہیں۔

انسان ایک نسخۂ جامع ہے۔ جو کچھ ساری موجودات میں ہے وہ سب کا سب تنہا انسان میں موجود ہے۔ لیکن عالمِ امکان کی اشیاء اس میں بطور حقیقت موجود ہیں، اور مرتبہ وجوب بطورِ صورت اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ ؎

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔"

؎ یہ دراصل بخاری اور مسلم شریف میں مذکور طویل حدیث کا ایک جملہ ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے۔

عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلق اللہ آدم علی صورتہ طولہ ذراعاً الخ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔ علماء کا اس حدیث کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض علماء تو اس حدیث کی کوئی تاویل بیان نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں یہ حدیث احادیث صفات میں سے ہے لہٰذا اس کی تاویل سے باز رہنا چاہیے۔ کیونکہ اس طرح کے متشابہات میں سلف کا یہی مذہب ہے۔

بعض دوسرے علماء اس کی تاویل کرتے ہیں۔ اور اس کی مشہور تاویل یہ ہے کہ لفظ صورت سے مراد صفت ہے۔ جس طرح عام محاورات میں کہا جاتا ہے۔ ''اس مسئلے کی صورت یہ ہے''۔ ''اور فلاں معاملے کی صورت حال یہ ہے۔'' اب حدیث پاک کا معنی یہ ہوگا۔ ''خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صفت پر پیدا فرمایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان صفات کا موصوف بنایا جو اس کی صفات کا پرتو ہیں۔ تو اسے حی، عالم، قادر، متکلم، سمیع، بصیر، پیدا فرمایا۔

حدیث کی دوسری تاویل یہ ہے کہ اضافت شرافت و بزرگی کے اظہار کے لیے ہے۔ جیسے بیت اللہ، روح اللہ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جمیل و لطیف صورت پر پیدا فرمایا اور آپ کی ذات کو منبع اسرار و لطائف بنایا۔

تیسری تاویل یہ ہے کہ '' ضمیرہٖ '' سے مراد حضرت آدم ہی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بشر کے بالکل ابتدائی حال پر بالکل ٹھیک اور متناسب الاعضاء پیدا فرمایا کہ آپ کا طول ساٹھ گز تھا۔ دوسرے انسانوں کی طرح کہ وہ پہلے نطفہ پھر مضغہ پھر جنین ہوتا ہے پیدا نہیں فرمایا۔

چوتھی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک صورت خاصہ پر پیدا فرمایا جو تمام مخلوقات کا نسخہ جامع ہے۔ کیونکہ کائنات میں ایسی کوئی مخلوق نہیں جس کی مثال صورت آدم میں نہ ہو۔ اسی لیے انسان کو عالم صغیر کہا جاتا ہے۔

پانچویں تاویل یہ ہے کہ صورت سے مراد شان اور امر ہے کہ آپ مسجودِ ملائکہ ہیں اور تمام کائنات کو مسخر کرنے والے اور ان میں تصرف کرنے

والے ہیں۔

اور اسی جامعیت پر انسان کے دل کو پیدا کیا گیا ہے کہ جو کچھ پورے انسان میں ہے تنہا دل میں موجود ہے۔ لہٰذا قلبِ انسانی کو حقیقت جامعہ کہتے ہیں۔ قلب کی اسی وسعت وکشادگی کے متعلق بعض مشائخ نے جامعیت وسعتِ قلب کے متعلق یوں خبر دی ہے کہ:

"اگر عرش اور جو کچھ اس میں ہے قلبِ عارف کے ایک کونے میں ڈال دیں تو کچھ محسوس نہ ہو۔" کیونکہ قلب اربعہ عناصر، افلاک، عرش، کرسی، عقل، نفس اور مکانی اور لامکانی اشیاء سب کا جامع ہے۔

تو چونکہ قلب لامکانی امور پر بھی مشتمل ہے۔ لہٰذا عرش اور جو کچھ اس میں ہے قلب میں اس کی کچھ مقدار نہ ہوگی کیونکہ عرش اور جو کچھ اس میں ہے باوجود وسعت وکشادگی کے دائرہ مکان میں داخل ہے اور مکانی چیز اپنی جگہ چاہے کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہو، لامکانی کے سامنے تنگ ہی ہے اور کوئی قدر نہیں رکھتی۔ لیکن مشائخ قدس اللہ اسرارہم میں سے اربابِ صحو جانتے ہیں کہ یہ حکم (قلب کا عرش سے بھی وسیع ہونا) سکر پر مبنی ہے۔ اور شئے کی حقیقت اور اس کے نمونے میں عدم امتیاز کے باعث ہے۔

عرش مجید جو ظہورِ تام کا محل ومقام ہے، اس سے بہت بلند ہے کہ قلب تنگ میں اس کی گنجائش ہو قلب کے اندر عرش کا جو کچھ نظر آتا ہے، اس سے بہت بلند ہے کہ قلب تنگ میں اس کی گنجائش ہو قلب کے اندر عرش کا جو کچھ نظر آتا ہے وہ عرش کا نمونہ ہے۔ حقیقت عرش نہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ

قلب کے آگے عرش کے نمونے کی کچھ حیثیت نہیں ۔ کیونکہ قلب بے انتہاء اشیاء کے نمونوں کا جامع ہے۔ آئینہ جس میں آسمان اپنی تمام بڑائی اور اس میں موجود تمام اشیاء کے ساتھ دکھائی دیتا ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ آئینہ آسمان سے وسیع ہے ۔ ہاں آسمان کی مثال اور اس کا عکس جو آئینے میں دکھائی دیتا ہے وہ آئینہ کے سامنے چھوٹا ہے ۔لیکن حقیقت آسمان آئینے سے بہت بڑی ہے۔اس بحث کی ایک مثال سے وضاحت ہو جاتی ہے۔

مثلاً انسان میں کرۂ خاک کا عنصر پوشیدہ ہے۔انسان کی جامعیت کا خیال کرتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ انسان کرہ ارض سے وسیع ہے ۔ بلکہ وجود انسانی کی کرۂ خاک کے سامنے کچھ مقدار نہیں بلکہ اس کے سامنے انسان ایک چھوٹی سی چیز ہے۔ دراصل ایک چھوٹی چیز میں موجود نمونے کو حقیقت جانتے ہوئے یہ حکم لگا دیا جاتا ہے۔ (مکتوبات امام ربانی جلد اول صفحہ ۲۶۵)

نظریۂ آدمؑ اور شیخ اکبرؒ

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں ۔ خدا کے اسمائے حسنٰی بے حدو بے حساب ہیں ۔ خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ اعیان اسماء اور حقائق اور صور علمیہ کو ملاحظہ فرمائے ۔ یا یوں کہو۔ کہ وہ اپنے آپ کو ملاحظہ فرمائے ۔مگر کس طرح ۔ایک موجود خارجی میں جو جامع ہو اسرار کا اور مظہر تام ہو اسمائے الٰہیہ کا۔ ایسا ملاحظہ کیوں؟ اس لیے کہ کسی کا اپنے آپ کو خود ہی اپنے میں دیکھنا ایسا نہیں جیسا کہ اپنے آپ کو آئینہ میں دیکھنا۔ یہ ملاحظہ آئینے کے حسب حیثیت

ہوگا۔ جو سامنے پیش نظر ہو۔ یہ ملاحظہ ہرگز نہ ہوتا۔ جب تک آئینے پر وہ اپنی تجلی نہ ڈالتا۔ اور آئینے سے اس کا انعکاس وظہور نہ ہوتا۔

خدائے تعالیٰ نے انسان کے پیدا کرنے سے پہلے تمام عالم کو پیدا کیا تھا ۔مگر یہ عالم کیسا تھا۔ ہر طرح ٹھیک تھا۔لیکن تن بے جان تھا۔آئینہ بے آب تھا ۔جلا شدہ نہ تھا۔

یاد رکھو کہ یہ عادت الٰہی ہے۔ یہی حکم الٰہی کی شان ہے کہ وہ جب کسی کو مستویٰ (تسویہ خود قرآن شریف میں ہے اس کے سمجھانے کے لیے درست کا لفظ زیادہ کیا گیا ہے) اور درست کرلیتا ہے اور اس میں تجلی قبول کرنے کی قابلیت آجاتی ہے۔ تو اس پر تجلی فرماتا ہے۔ اس محل میں تجلی حق ہی کو نفخ وروح کہتے ہیں۔ پھر نفخ کے بعد کیا ہوتا ہے وہ مستویٰ اور درست کیا ہوا محل اپنی استعداد میں ترقی کرتا ہے تاکہ تازہ بتازہ تجلی لم یزل ولایزال کو قبول کرتا رہے ۔اللہ قدیم ہے۔ اس کی تجلیات اسماء صفات سب قدیم ہیں۔ اور مستند الی اللہ ہیں۔ تسویہ یعنی درست کرنا۔ ٹھیک بنانا بھی اللہ کا فعل ہے۔ اور اللہ کی طرف مستند ہے۔ پھر غیر مستند الی اللہ ہے کون؟ کیا وہ جو قابل ہے۔ یعنی جو تجلیاتِ الٰہیہ کو قبول کرتا ہے؟ نہیں، کوئی غیر مستند الی اللہ نہیں۔ قابل تو عین ثابتہ۔ معلوم الٰہی وصورت علمیہ حق جل جلالہ ہے۔ پس یہ بھی فیض اقدس سے ثابت ونمایاں فی علم اللہ ہے۔ غرض کہ عالم میں جو کچھ ہے۔ اس کی ابتداء بھی حق تعالیٰ سے ہے۔ اور اس کی انتہا بھی حق تعالیٰ پر ہے۔ جس طرح وہ سب کا مرجع ہے۔ اسی طرح وہ سب کا مبدا بھی ہے۔

جب یہ عالم بغیر آدم کے وجود کے، آئینہ بے جلا تھا۔ تو امر الٰہی کا اقتضا ہوا

کہ آئینہ عالم کو جلا دی جائے۔ آدم ہی آئینہ عالم کی جلا تھا اور جسم عالم کے لیے مثل جان تھا۔ آدم سے پہلے ملائکہ بھی تو تھے۔ کیا وہ جان عالم یعنی مدبر عالم نہ تھے۔ نہیں جان تن کے تمام قویٰ پر حاکم ہوتی ہے۔ جسم عالم کو قوم یعنی عرفا کی اصطلاح میں انسان کبیر اور جسم انسان صغیر یا عالم کو عالم کبیر اور انسان کو عالم صغیر کہتے ہیں ۔ ملائکہ انسان کبیر یعنی عالم کے لیے مراکز قویٰ ہیں ۔ یعنی قوتوں کے محل ہیں جیسے جسم انسان میں قوائے روحانیہ وحسّیہ کے مرکز و محل ۔ ہر ایک قوت کا مرکز اپنے سوا دوسری قوت کے مرکز سے ناواقف ہے۔ اور اپنے آپ کو سب سے افضل و اعلیٰ جانتا۔ اور ہر ایک کو منصب عالی و منزل رفیع کا اہل و مستحق سمجھتا ہے۔ اسی طرح انسان کبیر کی قوتوں کے مرکز و محل یعنی ملائکہ عالم، ایک دوسرے کے کمالات سے اور جامع کل یعنی حضرت انسان کے کمالات سے بے خبر ہیں۔ اور اپنی افضلیت کے مدعی ہیں۔

اب ذرا فطرتِ انسانی پر غور کرو۔ اس میں کیا کیا ودیعت ہے۔ وہ مظہرِ تام ہے۔ شانِ الوہیت کا۔ وہ جامع ہے صفات کمالیہ کا۔ جس کو واحدیت کہتے ہیں۔ اس میں حقیقۃ الحقائق یعنی مرتبہ احدیت کی بے رنگی و تنزیہ بھی ہے۔ اس میں خلقت عنصری و مادی کے لوازم بھی داخل ہیں ۔ جو اوصاف و کمالات انسان کے حامل ہیں یہاں تک کہ اس میں طبیعت انسانی کبیر یعنی عالم کے اقتضا کے مطابق بن جانا بھی شامل ہے۔ اس میں طبیعت عالم کی تمام قابلیتوں کو حاوی ہونے کی صلاحیت بھی ہے عام اس سے کہ یہ قابلیتیں اعلیٰ ہوں یا اسفل۔ اور اس مسئلے کو یعنی انسان کامل کے مظہر تام، و تجلی گاہ، متجلی لہ، کامل ہونے کو، کسی کی عقل۔ نظر و فکر نہیں جان سکتی۔ بلکہ اس قسم کا ادراک

صرف کشف الٰہی سے ہوتا ہے۔ کشف الٰہی سے معلوم ہوتا ہے کہ صور عالم جو قبول کنندہ ارواح عالم ہیں۔ ان کی اصل کیا ہے۔

اس خلقت جامع و مظہر تام کو انسان و خلیفہ کا نام دیا گیا۔ انسان کا نام اس لیے دیا گیا کہ 'انسان' مردمک چشم اور آنکھ کی پتلی کو کہتے ہیں۔ چونکہ انسان کی نشأت و خلقت تمام تفصیلات کو عام و شامل ہے۔ اور تمام حقائق عالم کو حاوی ہے اور وہ حق تعالیٰ کے لیے بلا تشبہ ایسا ہے۔ جیسے آنکھ کی پتلی۔ پتلی ہی سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اسی کو محل بصر کہتے ہیں۔ اسی لیے اس خلقت جامع کا نام انسان رکھا گیا۔ گویا کہ انسان ہی کے توسط سے حق تعالیٰ اپنی مخلوقات کو ملاحظہ فرماتا ہے۔ اور اس پر رحم فرماتا ہے۔ اور اس کو وجود عطا کرتا ہے۔ کیونکہ مقصود تخلیق انسان ہی ہے۔

پس حقیقت کلیہ انسانیہ باعتبار خارج اور افراد کے حدیث ہے۔ اور باعتبار علم الٰہی کے ازلی و ابدی و دائمی ہے۔ اور ایک ایسا کلمہ ہے جو فاصل و جامع یعنی تفصیلی بھی ہے اور جمالی بھی۔

انسان کے وجود سے عالم تام و مکمل ہوا۔ عالم میں انسان ایسا ہے جیسے انگشتری میں نگینہ۔ یہ معلوم ہے کہ نگینے پر نقش و علامت شاہی کندہ ہوتی ہے۔ اسی نقش و علامت سے بادشاہ اپنے خزانوں پر مہر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان خلیفہ کہلاتا ہے۔ خیال رکھو کہ آدم سے اور انسان سے مراد انسان کلی۔ تجلی اعظم شان الوہیت ہے۔ جس کے مظاہر انسان جزئی ہیں۔ انسان ہائے جزئی میں بھی بعض مظہر ناقص ہیں، ہر زمانے میں صرف ایک ہی مظہر تام ہوتا ہے۔ جس کو غوث یا قطب زماں کہتے ہیں۔ انسان سے خدائے تعالیٰ عالم اور

خلق کی حفاظت کرتا ہے جس طرح کہ مہر شاہی سے خزائن شاہی کی حفاظت کی جاتی ہے جب تک خزائن پر مہر شاہی رہتی ہے کسی کو جرأت نہیں ہوتی کہ ان کو بے اذن واجازت شاہی کھول سکے۔ پس حق تعالیٰ نے انسان کو حفظ عالم میں اپنا خلیفہ بنایا۔ جب تک انسان کامل جو مرکز نظر الٰہی ہے۔ عالم میں موجود ہے۔ عالم بربادی، تباہی سے محفوظ اور قائم ہے۔ تم ہمیشہ دیکھتے رہتے ہو کہ مہر ٹوٹ جاتی ہے۔ تو خزانے میں جو کچھ رہتا ہے نکل جاتا ہے۔ اور دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب مہر شاہی (یعنی انسان کامل جو خزانۂ دنیا پر بطور مہر کے ہے) زائل اور دور ہو جائے گی تو اس میں جو کچھ رکھا گیا تھا، کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ بعض امور جو ادھر اُدھر تھے وہ سب آپس میں مل جائیں گے اور تجلیات الٰہی جو دنیا پر ہوتے تھے۔ وہ سب آخرت میں منتقل ہو جائیں گے۔ اور انسان کامل منتقل ہو کر خزانۂ آخرت پر ابدی ختم اور مہر ہو جائے گا۔

(فصوص الحکم فص آدمیہ ص ۸۔۱۱)

نامِ محمد ﷺ پر آدمؑ کا جسم مبارک

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ اپنے رسالہ مکرم شجرۃ الکون میں لکھتے ہیں کہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالمؐ کے اسم پاک محمد ﷺ کی صورت کریمہ پر تخلیق فرمایا۔ وہ اس طرح کہ حضرت آدمؑ کا سر مبارک آپ ﷺ کے اسم پاک کے پہلے "میم" کی طرح گول اور دونوں پہلوؤں میں دست اقدس کا لٹکنا آپ ﷺ کے اسم پاک میں سے حرف

''حاء'' کی صورت اور حضرت آدمؑ کا شکم مبارک آپ ﷺ کے اسم پاک کے دوسرے حرف ''میم'' کی صورت ہے اور دونوں پاؤں پھیلی ہوئی شکل میں آپ ﷺ کے اسم پاک کے حرف ''دال'' کی صورت پر کامل اور تمام فرمایا۔

حضرت امام محمد غزالیؒ اپنی کتاب ''وقائق الاخبار'' شریف میں فرماتے ہیں۔ خلق الخلق علی صورة محمد فا الراس مدور کا لمیم و الیدان کا لحاء و البطن کا لیمیم و الرجلان کا لدال

(وقایق الاخبار)

یعنی کہ انسان کا سر میم کی طرح گول، ہاتھ حاء کی طرح، پیٹ میم ثانی کی طرح اور پاؤں دال کی طرح بنائے گئے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ ولا یحرق احد من الکفار علی صورته بل تبدل صورته علی صورة الخنزیر (وقایق الاخبار)

یعنی اہل جہنم کو داخل جہنم کرنے سے قبل ان پر سے چادرِ احسن التقویم اتار لی جائے گی اور ان کو شکل انسانیت سے محروم کیا جائے گا اور میدان حشر میں رسوا کر کے ان کی شکلوں کو خنزیر کی صورت میں تبدیل کر کے جہنم میں واصل کیا جائے گا۔

یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰھُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَام

ترجمہ: مجرم اپنے چہرے سے پہچانے جائیں گے تو ماتھا اور پاؤں پکڑ کر جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ (سورہ رحمٰن آیت ۴۱)

تعمیرِ آدم علیہ السلام

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

جب تک انسان اپنی معرفت حاصل نہیں کرتا تب تک انسان کو اپنے رب کی معرفت حاصل نہیں ہوتی اگر کسی کو شجر کی معرفت حاصل کرنا ہو تو پہلے اس کے تخم پر غور کرنا ہوگا کیونکہ تخم شجر کی وحدت و معرفت کی اصل و بنیاد ہے اسی طرح انسان خود پر غور و فکر و خود کی معرفت حاصل کرنا ہو تو اپنی وحدت حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر پر غور کرنا ہوگا۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام ہماری اصل و بنیاد ہیں۔ تعمیر آدم میں ہی تمام اسرار پوشیدہ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ ترجمہ: انسان میرا بھید ہے۔ میں انسان کا بھید ہوں۔ اگر تصوف کی گہرائی میں جا کر دیکھیں تو بھید کے معنے پردے کے ہوتے ہیں اس لحاظ سے انسان میرا پردہ ہے میں انسان کا۔ بجز پیر کامل اس پردے کو کوئی اٹھا نہیں سکتا ''جتنی ہیں شدتِ ظہور اتنا چھپا ہوا بھی ہے'' اس لئے جو کوئی اپنے اصل کو نہیں جانتا وہ پردے میں ہے۔

حدیث پاک: کُلِّ شَيْءٍ یَرْجَعَ اِلَی اَصْلِهِ (ہر شئے اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے)

آؤ وہاں چلیں جہاں اللہ تعالیٰ تعمیر آدم کے بابت کچھ فرما رہا ہے۔

اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَاٍ مَسْنُوْن

(پارہ ۱۴۔ سورہ حجر، آیت نمبر ۲۸)

ترجمہ: میں بنانے والا ہوں بشر کو مٹی سے جو بدبودار سیاہ گارے سے ہے۔

جیسے کہ آیتِ پاک سے پتہ چلتا ہے کہ میں آدم کو بنانے والا ہوں اور آدم بنا کے رہوں گا۔ نکتہ باریک مگر رمز کی گہرائی میں غوطہ لگا کر پائے۔ یہی وہ نکتہ ہے جسے ابلیس نہ سمجھ سکا اور کافر ہوگیا۔ خیر معلوم ہوتا ہے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے خزانۂ علم میں آدم علیہ السلام کا اسم و مسمیٰ (صورت و نام) موجود تھا۔

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ (بخاری مسلم شریف)

ترجمہ: بے شک اللہ نے بنایا آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر۔

آدم کی تخلیق کوئی معمولی تخلیق نہیں تھی اس میں ہزاروں رموز و عجائبات کے خزانے پوشیدہ تھے۔ آدم کی تخلیق کے لیے جن اربع عناصروں کی ضرورت پڑیگی ان کا تذکرہ اللہ نے تخلیق آدم کے ساتھ آشکارہ کردیا۔ وہ چار عناصر یہ ہیں۔ (۱) مٹی (۲) پانی (۳) ہوا (۴) آگ۔ تصوف کی بعض کتب و تفسیر میں اس طرح سے آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو وجود میں لانے کا ارادہ کیا تو حق تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ تمام روئے زمین سے ہر قسم کی سیاہ، سفید، سرخ، کھاری، میٹھی، نرم، خشک، ایک مٹھی خاک اٹھالاؤ۔ حضرت جبرائیل نے زمین پر تشریف لاکر خاک اٹھانی چاہی، زمین نے سبب پوچھا۔ حضرت جبرائیل نے سارا واقعہ بیان کیا۔ زمین نے عرض کیا کہ میں اس سے خدا کی پناہ پکڑتی ہوں کہ تو مجھ سے خاک اٹھا کر انسان بنائے جس کی وجہ سے میرا کچھ حصہ جہنم میں پہنچے۔ حضرت جبرائیل خالی

واپس گئے اور عرض کیا کہ خدایا زمین نے تیری عزت کی پناہ پکڑی میں تیرے نام اور عزت کے ادب سے اس سے خاک نہ اٹھا سکا۔حق تعالیٰ نے پھر حضرت اسرافیل و میکائیل کو باری باری بھیجا مگر وہ بھی اسی طرح واپس آ گئے ۔آخر میں ملک الموت بھیجے گئے انہوں نے زمین کی ایک نہ سنی بلکہ فرمایا کہ میں تو اللہ کے حکم کا تابعدار ہوں۔تیری عاجزی اور زاری کی وجہ سے رب کی اطاعت نہیں چھوڑ سکتا۔اسی لیے ان کو جان نکالنے کا کام سپرد کر دیا گیا کہ تم نے ہی اس خاک کو زمین سے الگ کیا ہے،تم ہی اس کو ملانا۔

(تفسیر عزیزی و تفسیر نعیمی جلد اول ص ۲۵۳)

ملک الموت نے مختلف سات مقامات سے مٹی مکہ معظّمہ کے مقدس مقام پر جمع کرنا شروع کیا۔جہاں آج کعبہ شریف واقع ہے۔زمین کے جوئی مقام سے مٹی لی گئی اس میں (۱) مکہ مکرمہ (۲) طائف (۳) بیت المقدس (۴) ہندستان (۵) ابوقبیس (۶) عدن (۷) مدینہ منورہ۔مکہ شریف کی مٹی سے آدم کا سر بنایا گیا بیت المقدس کی مٹی سے گردن بنائی گئی اور عدن کی مٹی سے سینہ بنایا گیا ہندستان کی مٹی سے پشت و شکم بنا مدینہ منورہ کی مٹی سے دل بنا طائف کی مٹی سے دیگر اعضاء تیار کئے گئے۔اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ سر بیت المقدس کی مٹی سے اور چہرہ ایک بہشت کی مٹی سے اور دانت ہند کی مٹی سے اور ہاتھ کعبہ کی مٹی سے اور ہڈیاں پہاڑ کی مٹی سے اور بعض اعضاء بابُل کی مٹی سے اور پشت عراق کی مٹی سے اور دل فردوس کی مٹی سے اور زبان طائف کی مٹی سے اور آنکھیں حوض کوثر کی مٹی سے بنایا گیا۔سر بیت المقدس کی مٹی سے تھا اس سبب سے عقل و فہم و نطق کا مکان ہوا اور چہرہ بہشت کی مٹی

سے تھا محلِ زینت ہوا اور آنکھیں جو حوض کوثر کی مٹی سے تھیں موضع ملاحت ہوئی اور دانت ہند کی مٹی سے تھے جائے حلاوت ہوئے اور ہاتھ کعبہ کی مٹی سے تھے مقام سخاوت ہوئے اور پشت عراق کی مٹی سے تھی قوت کی جگہ ہوئی اور بعض اعضاء کے بابل کی مٹی سے تھی موضع شہوت ہوئے اور استخوان کے پہاڑ کی مٹی سے تھیں مضبوطی اور کڑاپن کی جگہ ہوئی اور دل کے بہشتِ فردوس سے تھا معدنِ ایمان وعرفان ہوا اور زبان کے طائف کی مٹی سے تھی مکان شہادت یعنی اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے کی جگہ ہوئی حضرت عزرائیل زمین سے جب بھی مٹی لیتے زمین بہت شور وغل مچایا کرتی۔ اور آہ وزاری کرتی اس وقت خطابِ الٰہی ہوا کہ اے زمین آہ وزاری نہ کر غم نہ منا کہ جو کچھ ہم تجھ سے لیں گے تو اس کے بدلے اور بہتر تجھے لوٹائیں گے اگر ایک مشت خاک لیں گے تو اس کے بدلے بہت ہی حسین وجمیل دمکتے چمکتے وہ بھی غسل دے کر۔ خوشبودار مٹی اس جگہ اس کا نعم البدل فراہم کریں گے یہ سن کر زمین با خوشی راضی ہوگئی۔

تخلیقِ آدمؑ میں سات قسم کی مٹی

اگر بلفرض مان لیا جائے کہ مختلف مقامات سے مٹی نہ لی گئی ہو صرف کسی ایک مقام سے ایک مشتِ خاک لی ہو تب بھی مٹی کی مختلف حالتوں کے اعتبار سے اس کے مختلف نام ہیں۔ (۱) **تراب** (خشک مٹی)

خَلَقَکُمْ مِنْ تُرَابٍ (پارہ نمبر ۱۷ سورۂ حج آیت ۵)

ترجمہ: ہم نے تمہیں، مٹی (خشک) سے پیدا کیا۔

خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ (پارہ نمبر ۱۵ سورہ کہف آیت ۳۷)

ترجمہ: ہم نے تجھے مٹی (خشک) سے پیدا کیا۔

تراب یہ عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنے خشک مٹی کے ہوتے ہیں۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سے آ رہے تھے آپ نے دیکھا حضرت علیؓ خشک مٹی پر لیٹے ہوئے ہیں قریب جا کر آپؐ نے فرمایا اٹھوائے ابوتراب (مٹی کے باپ) تب سے اہلِ اسلام حضرت علیؓ کو ابوتراب کے نام سے پکارتے ہیں خشک مٹی مختلف رنگوں میں پائی جاتی ہے۔ اور مختلف تاثیرات کی حامل ہے یہ زمین کا سب میں اوپری حصہ ہے جیسے ہمارے تن میں ہماری جلد (چمڑی)

(۲) طین : بھگی ہوئی مٹی (نرم مٹی)

اِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِيْنٍ (پارہ نمبر ۲۳ سورہ ص آیت نمبر ۷۱)

ترجمہ: میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔

طین یہ عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنے گیلی یا بھگی ہوئی مٹی کے ہوتے ہیں یہ مٹی بھی مختلف رنگوں ومختلف تاثیرات اپنے اندر سمائے ہوئے ہے۔ سب میں بڑی صفت اس کی یہ امین ہوتی ہے یہ مٹی جہاں بھی ہوتی ہے۔ اس زمین کو ہرا ابھرا کر دیتی ہے۔ یہ زمین کا اندرونی حصہ ہے جیسے ہمارے تن میں جلد کے نیچے کی جلد جس کی بدولت بالوں کو نکلنے میں مدد ملتی ہے۔

(۳) حماء : (مٹی کی بدبو کہو یا ادب میں خوشبو)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔

ترجمہ: اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے بنایا جو اصل میں ایک سیاہ بدبودار گارا تھی۔ (پارہ نمبر ۱۴ سورۂ حجر آیت ۲۶)

اِنِّی خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔

(پارہ نمبر ۱۴ سورہ حجر آیت نمبر ۲۸)

ترجمہ ''میں آدمی کو بنانے والا ہوں کالی سڑی ہوئی بدبودار کھنکھناتی مٹی سے مِنْ حَمَاٍ جب گارے کو پانی میں پڑے پڑے چند روز گزر جائیں تو اس میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے اسے عربی میں ''حماء'' کہتے ہیں۔

(۴) **مسنون** : (یہ حماء کی صفت ہے۔ بمعنے بدبودار یا مصور)

اوپر کی آیتوں میں مسنون کا ذکر موجود ہے۔ دیکھ لیں یہاں پر طوالت کے باعث نہیں لکھا گیا۔ وہ گارا جو پانی میں کئی روز رہنے کی وجہ سے بدبودار سیاہ رنگ کا گارا ہو جاتا ہے۔ جیسے حوض یا گندی نالیوں میں بدبودار سیاہ رنگ کا گارا نظر آتا ہے۔ یا مسنون بمعنے مصور من سنة الوجه سے مشتق ہے۔ بمعنے مضبوب من سن الماء صبه یعنی وہ شئے جس سے ہیت انسانی ڈھالی جائے جیسے قوالب میں جواہر سے صورت ڈھالی جاتی ہے جیسے قلعی، تانبا، و دیگر دھاتیں پگھلا کر اشیاء تیار کی جاتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تصویر کھینچی یعنی ان کی صورت بنائی اس معنے پر مسنون بمعنے مصوّر ہوگا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ (پارہ ۸ سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۱)

ترجمہ: اور ہم نے تم کو پیدا کیا۔ پھر ہم ہی نے تمہاری صورت بنائی۔

خَلَقْنٰكُمْ میں ضمیر اگرچہ جمع کی ہے لیکن مراد ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام

ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ

ترجمہ: بے شک اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

(۵) **طین الازب** : (چپکتی مٹی یا لیس دار مٹی)

اِنَّ خَلَقْنَاھُمْ مِّنْ طِیْنٍ الَّا زِبٍ۔

(پارہ ۲۳ سورۂ صافات آیت ۱۱)

ترجمہ: بے شک ہم نے ان کے اصل (آدم) کو چپکتی مٹی سے بنایا۔

من طین الازب گارے سے جو چپکنے والا ہے یعنی وہ مٹی جو ہاتھوں کو چمٹ جائے جس میں ریت نہ ہو۔

مٹی میں جب چپکنے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تب کمہار اس لیس دار چپکنے والی مٹی کو چاکی پر رکھ کر اپنا ہنر آزماتا ہے کئی شکلوں میں ڈھالتا ہے۔ یہاں پر حضرت آدم علیہ السلام کا قالب بنانا مراد ہے۔ تفسیر عزیزی و تفسیر نعیمی میں اس طرح آتا ہے کہ جب گارا تیار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا اس گارے کو مکہ اور طائف کے درمیان وادیٔ نعمان میں عرفات پہاڑ کے نزدیک رکھیں پھر حق تعالیٰ نے خاص اپنے دست قدرت سے اس گارے کو حضرت آدم علیہ السلام کا قالب بنایا اور ان کی صورت تیار کی۔

(از تفسیر عزیزی و تفسیر نعیمی جلد اول ص نمبر ۲۵۳)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر دنیا کے اس گلشن میں ہوئی۔

(۶) صلصال: (کھنکھناتی مٹی)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔

(پارہ ۲۷ سورہ رحمٰن آیت ۱۴)

ترجمہ: انسان کو بجتی مٹی سے پیدا کیا جیسے ٹھکری۔ صلصال کے عام فہم معنی بجتی مٹی یا کھنکھناتی مٹی کے ہیں مگر اصطلاح میں اس کو گونج کہتے ہیں۔ جب کمہار مٹی کے برتن بنا کر خشک کرنے رکھتا ہے جب برتن خشک ہو جاتے ہیں اس میں ہواؤں کی وجہ سے جو صدا نکلتی ہے اسے صلصال کہتے ہیں۔ اگر غور کریں تو یہ صدا روز ازل سے آدم علیہ السلام و اولادِ آدم میں موجود ہے جسے اہل تفکر حضرات ''صوتِ سرمد'' کہتے ہیں۔

ازل میں جو صدا میں نے سنی تھی کیف و مستی میں
وہی آواز اب تک آ رہی ہے سازِ ہستی میں

پیر کا مرید و فقیر کا طالب جب تعلیم و صحبت سے فیض یاب ہو کر مراقبہ میں مقام یکسوی پا لیتا ہے تب سالک کو وہ آوازِ سرمدی سنائی دینے لگتی ہے۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔ یہ مردہ ہڈی چمڑی رگوں میں سے دوست کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔

جیسے ایک تارے (طنطنا) کو لیجئے اس کی لکڑی بھی مردہ اس کا تار بھی مردہ اس پہ چڑھا ہوا چمڑا بھی مردہ پھر یہ طرح طرح کی آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں یہی وہ آواز ہے جس کو سن کر عاشق مست و بے خود ہو جاتا ہے اور کہہ اٹھتا ہے۔

سازِ ہستی میں گونج تم سے ہے
نغمہ زن تار تار تم سے ہے

دنیا کے شوروغل میں انسان اس قدر کھو گیا ہے کہ اس آواز سرمدی کو جو ساز ہستی سے مسلسل نکل رہی ہے اسے بھول گیا ہے۔ جو کوئی بھی اس آواز کو سننا چاہتا ہے وہ اپنے پیر کی بارگاہ میں باآدب رجوع ہو۔ اگر پیر حیات نہیں ہے یا دور ہے ان ذوق وشوق و بے چین حضرات کو ایک اشارہ دیتا ہوں ؎

چشم بند گوش بند و لب بند
گر نہ بینی سر حق برما بخند

(آنکھ بند کر کان بند کر لب بند کر اگر تو پھر خدا کا راز نہ پائے تو ہم پر ہنس)
(حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ)

(۷) **فخار** : (پکی مٹی یا ٹھیکری)

جب مٹی کے برتن خشک ہو جاتے ہیں تب کمہار انھیں آگ میں پکاتا ہے ان پکے ہوئے مٹی کے برتن کو فخار کہتے ہیں۔ یہ صلصال کے بعد کی منزل ہے ۔ یہاں پر مٹی کی تکمیل کا کام پورا ہوا۔ یہاں پر آ کر مٹی فنا سے بقا ہوئی دیگر۔ چھ مٹی اپنی صورت وہیت بدل سکتی ہے مثال کے طور پر اگر ان چھ مٹی کو گڑھا کھود کر دفن کر دیں تو وہ مٹی ۔ مٹی میں مل کر مٹی بن جائے گی مگر جو مٹی فخار بن چکی ہے اسے اگر گڑھا کھود کر دفن کریں اور سو سال بعد نکالیں تو وہ ویسے کہ ویسے ہی ٹھیک رہے گی ۔ اسی طرح اللہ والے اللہ کے عشق کی بھٹی میں جل کر فخار بن گئے ہیں۔

مٹی کے رنگ و تاثرات

وَمِنَ الجِبَالِ جُدَدٌ بیضٌ وَّحُمرٌ مُّختَلِفٌ اَلوَانُھَا وَغرَا بِیبُ سُودٌ

ترجمہ: اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ۔ (پارہ ۲۲ سورۂ فاطر آیت ۲۷)

وَمِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الاَ نعَامِ مُختَلِفٌ اَلوَانُہٗ کَذٰلِکَ۔

ترجمہ: اور اسی طرح آدمیوں اور کیڑوں میں اور چوپائیوں میں بھی مختلف رنگتیں موجود ہیں۔ (پارہ ۲۲ سورۂ فاطر آیت ۲۸)

پہلا رنگ سیاہ، دوسرا اسفید رنگ، تیسرا ہرا رنگ، چوتھا لال رنگ پانچواں پیلا رنگ چھٹا بے رنگ مگر مراقبہ میں اس کی تجلی پیلی نظر آتی ہے۔

جس طرح انسان کے خمیر میں مٹی ملی ہے اسی طرح انسانی قالب اپنی تاثیرات دکھاتا ہے کبھی انسان خاموش خاموش روکھا سوکھا نظر آتا ہے کبھی خوش وخرم نظر آتا ہے۔ کبھی ہرا بھرا نظر آتا ہے۔ کبھی لال پیلا نظر آتا ہے۔ کبھی سخت کبھی نرم کبھی گرم کبھی روتا ہوا کبھی ہنستا ہوا۔ کبھی دور دور کبھی چپکا چپکا نظر آتا ہے۔

مٹی کے پانچ صفت : (۱) ہڈی (۲) رگ (۳) گوشت (۴) چمڑا (۵) بال۔

مٹی کا مرض : پھوڑا پھنسی وغیرہ۔

مٹی کا فرشتہ : ملک الموت، عزرائیل علیہ السلام ہے۔ جو روح قبض کرتے ہیں۔ آدم علیہ السلام کی تخلیق میں دوسرا عنصر جو ملاوہ ہے پانی۔

تخلیق آدم میں سات قسم کے پانی

اِنِّی خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَاٍ مَسْنُوْنٍ۔

ترجمہ: میں آدم کو بنانے والا ہوں بجتی مٹی سے جو بدبودار سیاہ گارے سے ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں پانی کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا مگر مٹی کی حالت سے پتہ چلتا ہے کہ مٹی میں پانی موجود ہے اسی لیے حماٍ مسنون کہا گیا جس کا مطلب گارے کے ہوتے ہیں گارا مٹی میں پانی ملائے بغیر بن نہیں سکتا۔ مختلف پانیوں سے گارا بنانے کی دلیل تفاسیر سے بھی ملتی ہے ملاحظہ ہو۔

فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس خاک کو مختلف پانیوں سے گارا بنائیں چنانچہ اس خاک پر چالیس روز بارش ہوئی۔ انتالیس دن تو غم ورنج کا پانی برسا اور ایک دن خوشی کا اسی لیے انسان کو رنج وغم زیادہ رہتے ہیں اور خوشی کم ہوتی ہے۔

(تفسیر عزیزی و تفسیر نعیمی جلد نمبر ا صفحہ ۲۵۳)

اوپر کی تفسیر میں ایک بات قابل غور ہے کہ فرشتوں سے مشتِ خاک کو ہاتھ لگانا اور مختلف پانی گارے پر ڈالنے کا حکم دینا اس سے بزرگان دین کی سنت سمجھ میں آتی ہے۔ اکثر پیران عظام ومشائخین کی محفل میں دیکھا گیا ہے کہ جب بھی گل پوشی ہو یا خرقۂ خلافت ہو چار چودہ سے ہاتھ لگواتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سنتِ الٰہی ہے۔ کوئی بدعت نہیں۔

دوسرا مضمون تخلیقِ آدم میں سات قسم کے پانی میں وہی آیت پیش کی جو مضمون اولیٰ میں پیش کی تھی تاکہ تسلسل بھی برقرار رہے اور بات بھی سمجھ میں

آئے۔ جب کے قرآن کریم میں وہ آیت بھی موجود ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق میں پانی کا عنصر موجود ہے۔

وَھُوَالَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا۔ (پارہ ۱۹ سورۃ الفرقان آیت ۵۴)

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے پانی سے بنایا آدمی یعنی آدم علیہ السلام۔

عربی میں الماء پانی کو کہتے ہیں۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا خمیر کس پانی سے بنایا گیا۔ اگر جنتی پانی سے آدم علیہ السلام کا خمیر بنانا مان لیا جائے تو وہ حسب ذیل ہے۔

وَھُوَالَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ ھٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ ھٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ترجمہ: اور وہی ہے جس نے ملے ہوئے رواں کئے دو سمندر یہ میٹھا ہی نہایت شیریں اور یہ کھارا ہی نہایت کڑوا۔

(پارہ ۱۹، سورہ الفرقان آیت ۵۳)

(۱) **آبِ فرات** کے معنی آبِ شیریں یا میٹھا پانی کو کہتے ہیں جبکہ فرات کے لغوی معنے کاٹ دینا توڑ دینا کے ہوتے ہیں۔ میٹھا پانی پیاس کو کاٹ دیتا ہے یعنی ختم کر دیتا ہے

(۲) **آبِ اجاج** کے معنے کھارے پانی کے ہوتے ہیں۔ یہ پانی اتنا کھارا ہوتا ہے کہ تیسرے پانی یعنی کڑواپن اختیار کر جاتا ہے۔

(۳) **آبِ سلسبیل** : پاک وشفاف خوشنما پانی

(۴) **آبِ تسنیم** : خوشبودار پانی

(۵) **آبِ رحیق** : پاک نشے دار پانی جیسے شراب

(۶) **آبِ کوثر** : ایسا پانی جس کو پیتے ہی انسان دنیا کا

دکھ درد بھوک پیاس سب بھول جائے۔

اِنَّ عَطَیْنٰکَ الْکَوْثَرْ (سورہٴ کوثر) بے شک ہم نے تمہیں کوثر عطا کیا۔ اسی واسطے سرکارِ دو جہاں کا اسم مبارک ساقیٔ کوثر ہے۔

(۷) **آبِ رحمت** : رحمت والا پانی آبِ حیات۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِ ھَالْاَ نَھَرْ (پارہ ۱۳ سورہٴ رعد آیت ۳۵)

اس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ انہار۔ یہ نہر کی جمع ہے۔ اگر ان نہروں کے پانی سے آدمؑ کا خمیر بنانا مان لیا جائے تو وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) شہد کی نہر (۲) دودھ کی نہر (۳) شراباً طہورا کی نہر (۴) پانی کی نہر (۵) نہر فرات (۶) نہر اجاج (۷) نہر کوثر۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے جنت میں نہریں جاری رکھا ہے اسی طرح آدم میں بھی نہریں جاری و ساری ہیں۔ کیونکہ آدم علیہ السلام عالم کبیر ہے اٹھارہ ہزار عالم کی تفصیل ہے۔ اسی طرح اسلام میں بھی سات نہریں جاری و ساری ہیں۔

(۱) شریعت (۲) طریقت (۳) حقیقت (۴) معرفت (۵) وحدت (۶) وصلت (۷) مقام سرِّ خفی الخفی۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ مشتِ خاک آدمؑ زمین سے ہے اس لیے زمین کے پانی سے خمیر بنائی گئی تو وہ بھی حسبِ ذیل ہے۔

(۱) کھارا پانی (۲) میٹھا پانی (۳) کڑوا پانی (۴) پھیکا پانی (۵) تیزابی پانی (۶) سادہ پانی (معتدل) (۷) زندگی بخش پانی آبِ حیات

حقیقت تو یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے خمیر میں یہ تمام مختلف قسم کا پانی ملایا گیا کیونکہ آدم علیہ السلام ناسوتی بھی ہیں ملکوتی بھی ہیں جبروتی بھی ہیں۔ لاہوتی بھی ہیں ہاھوتی بھی ہیں سیاہوتی بھی اور باہوتی بھی ہیں۔ اگر کثافت کے اعتبار سے دیکھیں تو مختلف سات قسم کی نہروں کا صدور حضرت آدم علیہ السلام میں ہورہا ہے۔

خاکِ آدم علیہ السلام میں سات کثافتی ولطافتی نہروں کا صدور

پہلی نہر آنکھ سے جاری ہے جس کا مقام جگر ہے اس کی لذت کھاری ہے۔

دوسری نہر ناک سے جاری ہے جس کا مقام پھیپھڑا ہے اس کی لذت کھٹی ہے۔

تیسری نہر کان سے جاری ہے جس کا مقام پتہ ہے اس کی لذت کڑوی ہے

چوتھی نہر منہ سے جاری ہے جس کا مقام دل ہے اس کی لذت میٹھی ہے۔

پانچویں نہر آلۂ تناسل سے جاری ہے جس کا مقام مثانہ ہے اس کی لذت تیزابی ہے۔

چھٹی نہر گردے سے جاری ہے جس کا مقام رگیں ہیں اس کی لذت معتدل ہے۔

ساتویں نہر بِتر ذات سے جاری ہے جس کا مقام تمام جسم ہے اس کی لذت پھیکی ہے۔

یہ کثافت کے اعتبار سے تھا اب لطافت کے اعتبار سے دیکھیں۔ پہلی نہر سمعٌ، دوسری نہر بصیرٌ، تیسری نہر کلیمٌ، چوتھی نہر حیٌ، پانچویں نہر مریدٌ، چھٹی نہر علیمٌ، ساتویں نہر قدیرٌ ہیں

لطافت کے اعتبار سے یہ سات نہریں ام الصفات ہیں جس سے بیانوے صفات کا ظہور ہوا۔ یہ ۹۲ عدد ابجد کے اعتبار سے اسم محمدؐ کے ہوتے ہیں۔

جسم انسانی میں سات رنگ کا سات پانی

اَلَمۡ تَرَاَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهَا ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے۔

(پارہ نمبر ۲۲ سورۃ فاطر آیت نمبر ۲۷)

جسم انسانی میں سات رنگ کے سات پانی ہیں جو بعد مردن جسم سے خود بخود خارج ہو جاتے ہیں۔

(۱) آنکھ کی اندر کی پتلی کا پانی جو سیاہ رنگ کا ہوتا ہے۔

(۲) آب منی جو جسم کے اندر سلف میں جوہر بن کر مخفی طور پر رہتا ہے۔ جو سفید رنگ کا ہوتا ہے۔ جو وقت انزال باہر آتا ہے۔

(۳) پتہ کے اندر کا پانی جو ہرا رنگ کا ہوتا ہے۔

(۴) رگوں و گوشت کے اندر کا پانی جسے خون کہتے ہیں جو لال رنگ کا ہوتا ہے۔

(۵) بھیجہ جو ہلکا پیلا رنگ کا ہوتا ہے۔

(۶) پیلے رنگ کا منجمد پانی جسے چربی کہتے ہیں۔

(۷) بے رنگ پانی جو تمام جسم میں ہوتا ہے۔ جسے سائنس میں ہوموگلوبن کہتے ہیں۔

جسدِ انسانی کی ساتوں نہریں نیچے کی طرف دوڑتی ہیں۔ اس لیے قرآن میں تحت (نیچے) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مگر ۔ سالک چاہے تو اسے فوق (اوپر) کی طرف دوڑا کے گنج مخفی میں ضم کر سکتا ہے۔ جسد خاکی مختلف رنگ و لذت کے پانی سے گوندا گیا۔ اسی طرح انسان میں مختلف صفات ظہور پائے ۔ جیسے کبھی انسان میٹھا بولتا ہے کبھی کڑوا کبھی تیز کبھی پھیکا بولتا ہے سنتا ہے۔ انسان انھیں لذت کی چیزیں کھانا پسند بھی کرتا ہے۔

پانی کے پانچ صفات:

(۱) مغز (۲) جلاب (۳) پیشاب (۴) پسینہ (۵) منی

پانی کا مرض سردی کھانسی وغیرہ۔ پانی کا فرشتہ میکائیل، مراقبہ میں اس کا رنگ سفید نظر آتا ہے۔

بابا آب ریزؒ کا آدمؑ کے خمیر میں پانی ڈالنا

بابا آب ریزؒ سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ جب حق سبحانہ تعالیٰ روز ازل آدم کی مٹی گوندھ رہا تھا۔ میں اس میں پانی ڈال رہا تھا۔

اس مقولہ کی کیا توجیہہ و تاویل ہے۔ جان لیں کہ حضرت آدم علیہ السلام

کی خدمات میں جس طرح ملائکہ کرام کو حصہ لینے کی اجازت دی گئی اس بزرگ کی روح کو بھی خدمت گاری کی اجازت دی اور پانی ڈالنے کی خدمت اس کے سپرد کی گئی ۔ پھر ان کی جسمانی پیدائش کے بعد بلکہ ان کے کامل ہونے کے بعد انہیں اس معنی سے اطلاع دی گئی۔

جائز ہے کہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ ارواح مجردہ کو ایسی قدرت عطا کرے کہ ان سے افعال اجسام صادر ہوں اسی قبیلہ سے ہے وہ جو بعض اکابر نے اپنے افعال شاقہ سے خبر دی ہے جو ان سے ان کے وجود عنصری میں آنے سے زمانہائے دراز پہلے صادر ہوئے۔ان افعال کا صدور ان کی ارواح مجردہ سے ہوا تھا۔اور انھیں اس معنی پر اطلاع وجود عنصری میں آنے کے بعد حاصل ہوئی۔

(مکتوبات امام ربانی جلد سوم ص ۱۰۰۹)

تخلیقِ آدمؑ میں سات طرح کی ہوائیں

قرآنِ پاک میں عموماً رحمت کی ہوا کو ریاح کہتے ہیں اور غضب کی ہوا کو ریح کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہوائیں آٹھ ہیں۔ چار رحمت کی چار غضب کی۔

غضب کی ہوائیں: (۱) ناصف (۲) عاصف (۳) صرصر (۴) عقیم ہیں

رحمت کی ہوائیں: (۱) ناشرات (۲) مبشرات (۳) مرسلات (۴) ذریات ہیں۔

(تفسیر خازن معانی۔ معاوی کبیر تفسیر نعیمی جلد نمبر ۸ صفحہ ۵۹۶)

گذشتہ تخلیق آدم میں دو عناصر مٹی اور پانی ٹھوس اور مائع کی شکل میں تھی مگر تیسرا عنصر جو نہایت لطیف و مخفی ہے۔ عربی میں عموماً ٹھہری ہوئی ہوا کو ہوا کہتے ہیں اور چلتی ہوئی۔ متحرک ہوا کو ریح کہا جاتا ہے۔ جدید سائنس کی ترقی یافتہ مشینیں بھی ہوا کو دیکھنے سے قاصر ہے جو عناصر روز مرّہ کے مشاہدے میں ہوتے ہیں انھیں دیکھنا اور سمجھنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ مگر ہوا کا معاملہ اس کے برعکس ہے مگر جنہیں اللہ تعالیٰ نے فراست دی ہو۔ جنہیں اپنے نور سے نوازا ہو ان کے لئے کوئی مشکل نہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں۔

يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهِ مَنْ يَّشَآءُ (پارہ نمبر ۸ سورۂ نور آیت ۳۵)

ترجمہ: اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے۔

قالبِ آدم کو خشک کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف سات طرح کی ہوائیں چلائیں۔

(۱) تیز ہوا (۲) دھیمی ہوا (۳) گرم ہوا (۴) سرد ہوا

(۵) معتدل ہوا (۶) رحمت کی ہوا (۷) فقط ہوا۔

بعد نفخ وہی ہوائیں آدم علیہ السلام میں عمل پیرا ہو گئی۔ اور آج تک آدم میں کارفرما ہیں جس کو دورِ جدید کے تحقیقاتی حضرات نے مختلف نام رکھا ہے۔ زیرِ غور ہو۔

(۱) **آکسیجن**: (OXYGEN-O_2)

تن میں داخل ہونے والی ہوا۔

عمل تنفس کے ذریعہ جو سانس ہمارے تن میں داخل ہوتی ہے۔ اسے

آکسیجن کہتے ہیں۔ یہ ہوا سرد ہوتی ہے۔ یہ واحد۔ عنصر ہے جس کے لئے کئی الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ سانس و تار دم، تار نفس، ہوا، انفاس و تنفس وغیرہ۔ بزرگوں نے اسی وجہ سے آدم کا اصطلاحی معنیٰ آ۔ دم رکھا ہے آدم میں دم ہے اور دم میں آدم ہے۔ ایک جگہ سرکار پیر عادلؒ اپنے کلام میں لکھتے ہیں:

"دم آئے تو آدم ہے دم جائے تو بے دم ہے۔"

جس طرح سے ہوا قدرت کا ایک راز بنی ہوئی ہے اسی طرح آدم کا دم بھی ایک راز بنا ہوا ہے۔ لغت میں نفس کے معنے دم کے بھی ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے حدیث پاک

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کا معنیٰ جس نے اپنے دم کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ کیونکہ دم کے ذریعہ ہی انسان میں ربوبیت کا کام سرانجام پاتا ہے اگر بندہ چاہے تو دم کی معرفت کے ذریعے رب کی معرفت حاصل کرسکتا ہے۔ مگر دم کی معرفت بغیر پیر کامل کے ناممکن ہے۔ آگے ہواؤں کے خلاصے میں بات رفتہ رفتہ سمجھ میں آجائے گی۔ مگر غور سے پڑھنا شرط ہے

آکسیجن ہمارے جسم میں کیا کام کرتی ہے

:

(۱) کھانے کو حلق کے نیچے اتارنے میں مدد کرتی ہے

(۲) دل کو چلانے میں ورید اور شریان کے کام کرنے میں مدد کرتی ہے۔

(۳) آکسیجن کی سب سے زیادہ ضرورت دماغ کو ہوتی ہے۔ دماغ میں سوچنے سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت کو بیدار کرتی ہے۔ کچھ دیر تک انسان

کو آکسیجن نہ ملنے پر انسان کی موت بھی واقع ہوسکتی ہے۔ پیران عظام مرید کی صلاحیت کے اعتبار سے اسے دم کی تعلیم دیتے ہیں۔ جس کے ذریعے مرید اپنے دم کو اپنے گنج مخفی میں ضم کر لیتا ہے پھر کئی گھنٹے کئی دن کئی مہینے کئی سال بغیر سانس لئے ہی جی سکتا ہے۔ جس کی زندہ مثال حضرت بدیع الدین زندہ شاہ مدارؒ ہیں۔ زندہ شاہ مدارؒ سے 'منسوب' ایک شعر بھی پڑھتے ہیں۔

''دم مدار بیڑہ پار۔ مرتے کو مارے زندہ شاہ مدار'' جس نے اپنے دم کو مدار بنالیا اس کا بیڑہ پار ہوگیا۔

(۲) کاربن ڈائی آکسائیڈ (Carbon Di Oxide CO_2)

تن سے خارج ہونے والی ہوا۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ ہمارے تن سے نکلنے والی گرم ہوا کو کہتے ہیں۔ آکسیجن میں ایک خاص قسم کی تازگی ہوتی ہے جسے ہمارا تن جذب کر لیتا ہے اور اس کے بدلے ہمارے تن کی مضر حرارت اس میں شامل کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی صفت بدل جاتی ہے۔ صفت کے تبدیل ہوتے ہی نام بدل جاتا ہے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ بن کر ہمارے تن سے خارج ہو کر فضاء میں مل جاتا ہے۔ فضاء میں آتے ہی تمام نباتات اسے استعمال میں لے کر اپنے اندر کھانا بناتے ہیں۔ اور اس کے بدلے ہمیں آکسیجن دیتے ہیں۔ مگر یہ نباتات کا عمل رات میں برخلاف چلتا ہے۔ جس کی وجہ سے حکماء و ڈاکٹروں نے رات کو جھاڑ کے نیچے بیٹھنے و لیٹنے کو منع کیا ہے۔ مگر کاربن ڈائی آکسائیڈ کو کس طرح فضاء میں مفید بنائے اس کا راستہ نہ حکماء کے پاس ہے نہ آج کے ترقی یافتہ سائنس دانوں کے پاس ہے

مگر جو حکیموں کے حکیم ہیں سائنسدانوں کے سائنسداں ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ سو سال قبل ہی وہ نسخہ ایجاد فرما دیا۔

حدیث پاک ہے اَلْاَنْفَاسُ مَعْدُوْدَاتٌ وَکُلُّ نَفْسٍ یَخْرُجُ بِغَیْرِ ذِکْرِ اللّٰہِ فَھُوَمَیِّتٌ ۔ (جو سانس بھی اللہ کے ذکر کے بغیر نکلے پس وہ مردہ ہے۔) جو زہریلی گیس ہمارے جسم سے کاربن ڈائی آکسائیڈ کے شکل میں نکل رہی ہے اگر اس میں کلمہ طیبہ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پیوست کر دیا جائے تو وہی زہریلی گیس بادِ رحمت بن جائے گی۔

جو مریض اس ذکر اللہ والی ہوا میں سانس لے گا وہ شفایاب ہو جائے گا۔ اگر کوئی گناہ گار کسی عذاب میں مبتلا ہے تو نجات پائے گا۔ اگر کسی قسم کی ذہنی پریشانی میں ہے تو پریشانی دور ہو جائے گی۔ اس سے سانس لینے والے کو بھی فائدہ اور نکالنے والے کو بھی اجر۔ اسی ضابطے پر پیران عظام نے پاس انفاس وروحی ذکر کا طریقہ بتایا ہے۔

(۳) نائٹروجن: (Nitrogen-N2)

یہ فضاء میں زیادہ مقدار میں پائی جانے والی گیس ہے۔ نباتات اس کے ذریعے پروٹین و وٹامن بناتے ہیں۔ وہ نباتات یا ان نباتات کو کھائے ہوئے جانور کا گوشت جب ہمارے کھانے کے ذریعے ہمارے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جو ہمارے جسم کو چست و تندرست رکھنے کے لئے کارگر ثابت ہوتے ہیں۔

(۴)ھائیڈروجن:(Hydeogen-H2)

یہ فضا میں پائی جانے والی نہایت ہی ہلکی ہوا ہے یہ ہوا جب آکسیجن سے ملتی ہے تو پانی کی تخلیق کرتی ہے۔
یہ ہوا ہمارے جسم کے اندر کاربونک رسائن میں پائی جاتی ہے۔ جیسے چربی ، پروٹین ، وٹامن ، وغیرہ میں یہ ہلکی ضرور ہے مگر قوت بخش ہے۔ اس کی کمی سے جسم لاغر بھی ہوسکتا ہے اور کئی قسم کی بیماری بھی لاحق ہوسکتی ہے۔

(۵)ھائیڈروکلورک ایسڈ

(HydroChloricAcid-HCL Acid-HCL)

دراصل یہ ایک ایسڈ ہے مگر پیٹ میں کئی گیس پیدا کرتی ہے۔ آج دنیا کے تقریباً پچاس فیصد انسان ایک عجیب وغریب بیماری میں مبتلا ہیں جسے ایسی ڈیٹی (Acidity) کہتے ہیں۔ جب پیٹ میں ہائیڈروکلورک ایسڈ کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ہاضمہ خراب ہوجاتا ہے۔ اس سے نکلنے والی گیس اوپر کی جانب بڑھنے لگتی ہے جس سے انسان کو تکلیف محسوس ہوتی ہے اس کا صحیح مقدار میں پیٹ میں ہونا ہاضمہ کے لیے مفید ہوتا ہے۔ جب کھانا ہضم ہوجاتا ہے تب کئی گیس پیدا ہوتی ہیں جو گیس منھ کے ذریعے سے باہر آتی ہے اسے ڈکار کہتے ہیں۔ اور جو گیس نیچے کی جانب سے خارج ہوتی ہے اسے ریحہ کہتے ہیں۔ جسم میں غیر استعمال ہونے والا فاسد مادّہ ونجاست کو بڑی آنت کے ذریعے خارج کرتا ہے

(۶) ایئر ساؤنڈ (Air Sound)

ہمارے اردگرد بہت سی آوازیں پھیلی ہوئی ہیں ۔ ان کے قطر بہت چھوٹے اور بہت بڑے ہوتے ہیں ۔ جن کو انگریزی میں ویولینگتھ (Viewlength) کہتے ہیں ۔ سائنسدانوں کے اندازے کے حساب سے جو آوازیں ۴۰۰ چار سو قطر کے نیچے ہوں اسے آدمی نہیں سن سکتا ۔ ایک ہزار چھ سو (1600) قطر سے زیادہ اونچی آوازیں بھی آدمی نہیں سن سکتا ۔ آواز تیز ہو یا دھیمی ان کا ذریعہ ہوا ہے ۔ جو آوازیں ہوا کے ذریعے ہمارے کان میں داخل ہو کر دماغ کو متحرک کرتی ہیں جس کی وجہ سے ہم لفظ کو سمجھ پاتے ہیں ۔

ہمارے گلے میں ایک وائس باکس (voice box) آواز کی تھیلی ہے ۔ جب بھی ہم کچھ بولنا چاہتے ہیں ۔ دماغ واویلس بنانا شروع کر دیتا ہے ۔ واویلس کو دماغ آواز کی تھیلی میں فیکس کر دیتا ہے یعنی وہ واویلس ان آواز کی تھیلی میں جمع ہو کر لفظ کی شکل اختیار کر کے ہوا کے ذریعے باہر آتے ہیں ۔ اس بولنے اور سننے والی ہوا کو ایئر ساؤنڈ کہتے ہیں ۔

(۷) **بادِ گشت** :۔ یہ ہوا خون میں حل کر پورے جسم میں گھومتی رہتی ہے ۔ پسینہ بھی اس ہوا کے ذریعہ باہر آتا ہے ۔ غرض کہ پلک کا کھلنا بند ہونا ہاتھ پیر اور سبھی اعضاؤں کی حرکت میں شرکت کرنا اسی ہوا کا کام ہے ۔

اتنی کارگزاری کے باوجود بھی یہ غیب میں ہے ۔ ربوبیت کا کام بآسانی

اسی کے ذریعے ہو رہا ہے مختلف صفت کی وجہ سے کئی نام سے پکاری جارہی ہے۔ان سب کی اصل ہوا ہی ہے۔اور ہوا کی اصل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔اگر اس نام کو سیدھا پڑھو تو 'محمد' اگر الٹا پڑھو تو 'ہم دم' ہے میں تو صرف آدم ہوں۔آ۔ ۔دم ہوں، اس دم میں ہم کون ہے؟ یہی مقام غور ہے۔

ہوا کے پانچ صفات: (۱) ہلنا (۲) چلنا (۳) جمائی لینا (۴) کانپنا (۵) سونا۔مراقبہ میں اس کی تجلی ہری دکھائی دیتی ہے۔اس کا فرشتہ اسرافیلؑ ہے۔

تخلیق آدمؑ میں مختلف سات قسم کی آگ

تخلیق آدم میں چوتھا عنصر آگ ہے۔آگ لطیف مگر دیکھنے پر نظر آتی ہے ۔آگ کو عربی میں 'نار' کہتے ہیں۔آگ کی بھی مختلف قسمیں ورنگ ہیں۔

(۱) سیاہ آگ (۲) سرخ آگ (۳) پیلی آگ (۴) نیلی آگ (۵) دھواں والی آگ (۶) بغیر دھواں والی آگ (۷) تیز ودھیمی آگ

ان تمام آگ (رنگ ۔دھواں اور حرارت) کو انسان، حواس کے ذریعے معلوم کرسکتا ہے۔ ہر عناصر کے جس طرح مختلف اوصاف ہوتے ہیں اسی طرح آگ کے بھی کچھ مختلف ودلچسپ اوصاف ظاہرہ وباطنہ ہیں۔

(۱) روشنی دینا (۲) اپنے اردگرد گرمی پیدا کرنا (۳) ہمیشہ اوپر کی جانب اٹھنا (۴) آس پاس دھواں پیدا کرنا (۵) جلنا جلانا (۶) بھڑک اٹھنا

(۷) اپنے اندر سے چنگاری پھینکنا۔

آدم علیہ السلام کے قالب کو پختہ کرنے کی غرض سے آگ سے گزارا گیا۔ قالب آدم آگ سے گزرتے ہی آگ کے تمام اوصاف ظاہرہ و اوصاف باطنہ اپنے اندر جذب کرلیا۔ اگر کوئی کہے کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی پر آگ حرام ہے اور آدم علیہ السلام، نبی ہیں۔ اور ان کے جسم مبارک پر آگ کیونکر اثر کرگئی جس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو، ان کے لیے یہ جواب لکھ رہا ہوں۔ آگ کسی کے لیے شر تو کسی کے لیے خیر بحکم رب بن جاتی ہے۔ آگ کو جلانے کی قوت رب نے بخشی ہے۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے آگ میں ڈالا مگر آگ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے لئے رحمت بن گئی۔ یعنی گلزار بن گئی۔ یہاں بھی آگ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے گلزار بن گئی۔

اسی وجہ سے آج پوری دنیا گلزار نظر آتی ہے۔ یہاں پر اللہ کا منشاء آدم علیہ السلام کے جسد کو پختہ بنانا تھا نہ کہ مٹانا۔ آگ کے اوصاف ظاہرہ و باطنہ آدم علیہ السلام کے ذریعہ بطور ورثہ ابن آدم میں منتقل ہوگئے۔ قالب آدم علیہ السلام و ابن آدم میں سیاہ آگ شہوت بن کر موجود ہے۔ سرخ آگ غصہ بن کر موجود ہے۔ پیلی آگ حسد بن کر نیلی آگ لالچ بن کر، دھویں والی آگ کینہ بن کر بے دھویں والی آگ تکبر بن کر۔ تیز و دھیمی آگ بھوک و پیاس بن کر موجود ہے۔ مرید کے لئے یہی خواہشات حجاب بن جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مرید کی پرواز میں دشواری پیدا ہوجاتی ہے۔ اپنی خواہشات سے لڑنے والے کو مجاہد کہا گیا ہے۔ اور اسی جہاد کو جہادِ اکبر کہا گیا ہے۔

ایک دن حضور ﷺ غزوہ تبوک سے واپسی پر تمام صحابہ اکرام سے آپ

نے فرمایا جہاد اصغر تو فتح کر لی اب جہاد اکبر کرو۔ صحابہ کرام نے حیرت سے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جہاد اکبر کیا ہے، کیا کوئی جہاد میدان کارزار سے بڑھ کر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اپنی خواہشات نفس سے لڑنا جہاد اکبر ہے۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید و فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۔ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۔ (پارہ ۱۴ سورۃ حجر آیت ۴۳، ۴۴)

ترجمہ: اور بے شک جہنم ان سب کا وعدہ ہے۔ اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لئے ان میں سے ایک حصہ بٹا ہوا ہے۔

یہ سات دروازے خواہشات انسانی کے اعتبار سے ہیں۔ یہ خواہشات انسانی اعضاء کے ذریعے کرتا ہے کبھی انسان ہاتھ سے گناہ کرتا ہے۔ کبھی زبان سے کبھی آنکھ سے کبھی پاؤں سے کبھی سن کر کبھی شرم گاہ کے ذریعے بزرگوں نے یوں بھی کہا کہ انسان اللہ کی نافرمانی سات صفات سے بھی کرتا ہے۔

(۱) دیکھ کر (۲) سن کر (۳) بول کر (۴) علم سے (۵) طاقت سے (۶) ارادہ کر کے (۷) حیّ کے ذریعے۔

وضو میں سات ارکان کی حکمت ایک یہ بھی ہے کہ شریعت کا وضو پانی سے کرایا جاتا ہے اور طریقت کا وضو عہد و اقرار سے کرایا جاتا ہے۔ تاکہ مرید کا ظاہر و باطن دونوں پاک رہے۔

آگ حرارت کی شکل میں انسان کے جسم میں مختلف کام سرانجام دیتی ہے (۱) کھانے کو ہضم کرتی ہے۔ (۲) خون کو منجمد ہونے سے بچاتی ہے۔

(۳) خون میں پیدا ہونے والے مضیر بیکٹر یا کو مارتی ہے۔ (۴) پسینہ بنانے میں مدد کرتی ہے۔ آگ ہمارے جسم کے ہر حصے میں رہتی ہے بالخصوص ہمارے جوڑوں میں رہتی ہے۔ کبھی جسم کی حرارت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص اسے چھوئے تو مانو جھٹکے لگ رہے ہوں۔

آگ کے پانچ صفات (۱) نیند (۲) بھوک (۳) پیاس (۴) سستی (۵) ہاضمہ ۔

آگ کا مرض۔ بخار و حرارت وغیرہ۔

آگ کا موکل ابلیس ۔ مراقبہ میں اس کی تجلی سیاہ نظر آتی ہے۔

نورِ محمدی پیشانئ آدمؑ میں

جب حق تعالیٰ نے ان چاروں عناصروں سے آدم علیہ السلام کا قالب بنایا اور ان کی صورت تیار کی فرشتوں نے کبھی ایسی صورت نہ دیکھی تھی تعجب سے اس کے آس پاس پھرتے تھے۔ ان کی خوبصورتی سے حیران تھے ابلیس بھی اس قالب کو دیکھنے آیا اور اس کے گرد پھر کر بولا کہ اے فرشتوں تم اسی کا تعجب کرتے ہو۔ یہ تو ایک اندر سے خالی جسم ہے جس میں جگہ جگہ سراخ ہیں اور اس کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر بھوکا ہو تو گر پڑے اور اگر خوب سیر ہو جائے تو چل نہ سکے۔ اس قالب خالی سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ پھر بولا ہاں اس کے سینے کی بائیں طرف ایک بند کوٹھری (دل) ہے یہ خبر نہیں کہ اس میں کیا ہے شاید کہ یہ لطیفۂ ربانی کی جگہ ہو جس کی وجہ سے یہ خلافت کا حق دار ہو۔

بحکم رب جب روح قالب کے پاس پہنچی تو جسم کو تنگ و تاریک پایا۔ تب حق تعالیٰ نے نور محمدی سے وہ قالب جگمگا دیا۔ یعنی مصباح، سراج، منیر کا وہ نور آدم کی پیشانی مشکوٰۃ میں بطور امانت رکھا گیا جس سے آدم کا (وہ چراغ فانوس گویا ستارہ ہے موتی کی طرح چمکتا ہوا) موتی کی طرح چمکنے لگا دیکھنے پر گویا شجرۂ مبارکہ نظر آ رہا تھا اسی شجرۂ مبارکہ سے انبیاء کرام کا سلسلہ جاری و ساری ہوا۔ حدیث پاک ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے ان کی پشت مبارک میں زمین پر اتارا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کی پشت مبارک میں کشتی کے اندر رکھا۔ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت مبارک میں تھا جب انہیں دہکتی آگ میں ڈالا گیا۔ اسی طرح ہر دور میں مجھے مبارک پشتوں سے مبارک ارحام کی جانب منتقل کیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے والدین کریمین کے گھر جلوہ افروز ہوا۔ ان میں کوئی بھی بد کاری کے نزدیک تک نہیں گیا۔

حضور ﷺ کے نسب مبارک کے حوالے سے روایات میں آیا ہے کہ آپ کا نور اقدس جس پشت میں منتقل ہوتا اس کی پیشانی میں چمکتا تھا

وحی المواہب میں ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور رسول اللہ ﷺ کا نور مبارک ان کی پیشانی میں خوب چمکتا تھا اور اس نور کی ایسی عظمت تھی کہ بادشاہ بھی ہیبت زدہ ہو جاتا اور آپ کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی مبارک نور محمدی سے

چمکتی تھی جس کو دیکھ کر ایک کاہینہ جس کا نام فاطمہ قثعمیہ تھا جو توریت وانجیل اور کتب سابقہ کی عالمہ تھی آپ کو نکاح کی دعوت دی مگر آپ نے انکار کر دیا پھر مذکور ہے کہ آپ کا نکاح حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہو گیا اور نور محمدی ان کے بطن میں منتقل ہو گیا۔

ایک روز حضرت عبداللہ اسی فاطمہ نامی کاہینہ کے پاس سے دوبارہ گزرے اس نے آپ کی طرف توجہ تک نہ کی۔ حضرت عبداللہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے اس وقت مجھے دعوت نکاح دی تھی اور آج توجہ تک نہیں کرتی۔ اس نے کہا جس نور کی خاطر میں آپ کی طرف راغب ہوئی تھی وہ کوئی اور خوش نصیب لے گئی۔ میری خواہش تھی کہ وہ نور مبارک مجھے نصیب ہو جو آپ کی پیشانی مبارک میں چمک رہا تھا۔ مگر اب وہ جدا ہو چکا ہے۔ بحر حال صوفیا کرام فرماتے ہیں۔ یہی نور جب آدم علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ گر ہوتے ہی آدم علیہ السلام پر رحمتوں کی بارش ہونا شروع ہو گئی۔

سب سے پہلے اس نور نے اپنے والد ماجد کو فرشتوں کا مسجود و قبلہ بنایا

''زبان حال سے کہتے تھے آدم : : جسے سجدہ ہوا ہے میں نہیں ہوں''

نکتہ: درحقیقت یہ سجدہ اسی نور کو تھا۔ بعض مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ اس نور محمدی میں تمام علوم پوشیدہ تھے۔ کیونکہ نور کا ایک معنیٰ علم کے بھی ہوتے ہیں اور اس کی وجہ سے مناسبت یہ ہے کہ جس طرح علم سے معقولات بلکہ جملہ امور منکشف ہوتے ہیں ایسے ہی نور سے جملہ محسوسات منکشف ہوتے ہیں۔

روح کا آدم علیہ السلام کے قالب میں داخل ہونا

فَإِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ۔

ترجمہ: تو جب میں اسے مکمل کرلوں اور اپنی طرف کی خاص معزز روح پھونک دوں تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا

(پارہ ۱۴، سورۂ حجر آیت ۲۹)

اس آیت مقدسہ میں تین لفظ قابل غور وفکر و پر اسرار ہیں۔

(۱)(تسویہ) فاذا تسویتہ (مکمل کرنا۔قابل بنانا)(۲) نفخ (پھونکنا)(۳) روح۔

فاذا تسویتہٗ مکمل کرنے کی مثال شیشے کے صیقل کی ہے کہ جیسے شیشہ صیقل سے پہلے کسی صورت کو قبول نہیں کرتا اگرچہ اسی صورت کو اس کے سامنے بھی رکھ دیا جائے لیکن جب اسے صیقل کیا جائے تو صاحب صورت کی صورت اس میں صاف نظر آتی ہے جیسے وہی صاحب صورت اس شیشہ کے سامنے ہوں۔

آن صوئے آئینہ وصف وست
صورت بے منتہارا قابلست
اہل صیقل رست اندر بو و رنگ
ہر دمے بیفند خوبی بے و رنگ

(جس کا دل شیشے کی طرف صاف وشفاف ہے۔بے منتہیٰ صورت کے قابل

ہے اہل صیقل ہر بو ورنگ سے پاک ہیں وہ ہر آن حسنِ حقیقی کا نظارہ دیکھتے ہیں۔)

یہاں حضرت آدم علیہ السلام کے وجود قالب کو ہر طرح سے تکمیل کرنا مراد ہے اوپر کی مثال سے بات باخوبی سمجھ میں آجاتی ہے۔

نکتہ: وجود حقیقی جو تمام موجودات کا سر چشمہ ہے وہی ہر موجود کا بالذات فیض رساں ہے باقی موجودات کا وجود اسی کے وجود سے ہے اللہ کی اس صفت کو قدرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی مثال سورج کے فیضان کی ہے کہ اس کا نور ہر اس شئے کو فیض پہنچا رہا ہے جو اس نور کے حصول کی استعداد رکھتا ہے جبکہ اس شئے اور سورج کے درمیان سے حجابات اٹھ جائے۔

النفخ بمعنی اس کھوکھلے جسم میں پھونکنا جسے اس کے روکنے کی صلاحیت ہو اور وہ اپنے اندر اسے سمو سکے۔

النفخ بمعنے اجراء الریح الیٰ تجویف جسم صالح یعنی اچھے جسم کی کوکھ میں ہوا ڈالنا۔ اس ہوا کو بند کرنے اور اس کی خالی جگہ کو پُر کرنا۔ اس سے آدم علیہ السلام کی حیات کی ایجاد مراد ہے ورنہ اس وقت نہ نفخ تھا نہ منفوخ بلکہ وہاں تو صرف موجد بصغہءِ اسم فاعل اللہ تعالیٰ اور بصغہءِ اسم مفعول آدم علیہ السلام ہے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی ہویت کے جلوؤں اور اپنی صفات وافعال کے انوار سے آدم علیہ السلام کو نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے نفخ وتسویۃ وغیرہ کو اپنی ذات کی طرف اس لئے منسوب فرمایا ہے کہ ان امور کی بلاواسطہ بلا کیف خود ذات حق نے سرانجام دیا۔

روح: ـ روح ایک امر مجرّ د (بلا جسم) لطیف شئے ہے جو چشم ظاہر سے نظر نہیں آتی۔ یہ بدن میں حلول نہیں رکھتا اسے بدن سے وہی تعلق ہے جو عاشق کو معشوق سے۔ اور جسم کے جملہ امور ایسی خوش اسلوبی سے انجام دیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ حضرت شیخ عز الدین نے فرمایا کہ روح جہت و مکان سے منزہ ہے اس کے اندر جمیع اشیاء کے علم واطلاع کی قوت ہے اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف منسوب فرمایا ورنہ دوسرے جسمانیات بھی اس کے ہیں لیکن ان میں مذکورہ بالا اوصاف نہیں ہیں۔ کہ روح اپنی جوہریت اور متجرّ داور عالم ارواح سے ہونے کی وجہ سے بدن کا غیر ہے۔ بدن میں تصرف وتدبر کی وجہ سے متعلق لیکن قائم بذاتہ ہے۔ اپنی بقاودوام کے اعتبار سے روح بدن کی محتاج نہیں ہاں چونکہ بدن روح کے نام اور عالم شہادت میں اس کے کمالات وقویٰ کو ظاہر کرتا ہے اس معنے پر روح کو بدن کی محتاج کہہ سکتے ہیں۔ اس عالم میں اس سے جدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذرّے ذرّے کے اندر جاری وساری ہے لیکن حلول نہیں کرتا جیسے حلولیوں کا مذہب ہے بلکہ وہ جسم میں ایسے موجود ہے جیسے وجود مطلق حق تعالیٰ کو موجودات میں موجود مانتے ہیں۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ روح وبدن کو من کل الوجود مغایرات نہیں جیسے اشیاء میں ظہور حق کی کیفیت معلوم ہے کہ کس کیفیت سے اشیاء کو ذاتِ حق کا عین مانا جاتا ہے اور کس طریقہ سے غیر۔ اسے معلوم ہے کہ روح بدن میں کس طریقہ سے ظاہر ہے اور کس وجہ سے بدن کا عین ہے اور کس وجہ سے غیر کیونکہ روح جسم کا مجازی رب ہے (تفسیر روح البیان پارہ ۱۷ صفحہ ۶۹) ۔

نکتہ: حضرت امام الجلد قدس سرہٗ کتاب البرہان کی فصل کتاب الانسان

میں رقمطراز ہیں کہ فطرت اولیٰ میں جوہر انسانی کی حقیقت واحدہ صاحب قوائے کثیرہ ہے۔ اسی کو صوفیاء کرام روح وقلب سے تعبیر کرتے ہیں اور حکماء اسے نفس ناطقہ کہتے ہیں جب اس کا بدن سے تعلق ہوا تو اس کے وہی قوائے کثیرہ منتشر ہوئے ان سے اسی جوہر کا نور چھپ گیا اسی تعلق سے اسے مراتب کثیرہ حاصل ہوئے جب جوہر انسان تخلیق انسان کے ڈھانچے کے پردوں سے محجوب ہوا تو اس کے اندر امور طبعیہ نے حلول کیا تو اسے نفس سے تعبیر کیا گیا اور جب ان حجابات سے متجرد ہوا اور اس کا نور کھل جائے تو اسے عقل کہتے ہیں۔ جب متوجہ الی اللہ اور راجع الی العالم القدس ہو اور اسے اس عالم کا مشاہدہ بھی نصیب ہو تو اس وقت اسے روح سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر اسے معرفت حق اور اس کے صفات و اسماء جمعاً و تفصیلاً حاصل ہو تو اسے قلب سے موسوم کرتے ہیں اور اگر اسے جزئیات کا ادراک ہو اور اسے ملکات و الٰہیات (جو کہ یہی افعال کے مراکز ہیں) کی اطلاع ہو جائے تو اسے نفس کہتے ہیں۔

روح ایک لطیف جسم ہے جو اللہ تعالیٰ کے اجزاء سے نہیں اور نہ ہی وہ اجزاء والا ہے بلکہ روح سے اس کی ذات اقدس مراد ہے اور اجزاء ممکن کے ہوتے ہیں جو اس کے حادث ہونے کی دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ منزہ و مقدس ہے یہی روح انسانی روح اعظم ہے اور یہی مظہر ذات الٰہیہ ہے در حقیقت ذات حق کے درمیان کوئی حجاب و نقاب نہیں۔ اگرچہ کچھ آتا ہے تو یہ نفس کی ذاتی جہالت ہے اور یہ سب کچھ نفس کی اپنی غفلت ہے اگر نفس سے جہالت اور غفلت دور ہو جائے تو ذاتِ حق کا اس طرح مشاہدہ و معائنہ ہوگا

جیسے سورج کو سر کی آنکھوں سے کھلم کھلا دیکھا جاتا ہے۔اے اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں سے حجابات دور فرما دے تاکہ غیوب کے دروازے ہمارے سامنے آجائے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی بعض کتب سماویہ میں نازل فرمایا اعرف نفسك یا انسان تعرف ربك ترجمہ: اے انسان پہلے اپنے آپ کو پہچان پھر مجھے بھی پہچان لے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اعرفکم بنفسه اعرفکم بربه ترجمہ: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے پہچانتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے نفوس سے پہچانتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا انسان پر بہت بڑا فضل و کرم ہے کہ اسے اپنے عرفان کے طریقے خود سکھاتا ہے باوجودیہ کہ انسانی ڈھانچہ نہایت ہی چھوٹا ہے لیکن اس کے اندر اتنے بڑے عجائبات جمع فرمائے ہیں کہ عالم کبیر کے جملہ عجائبات اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے اسے جملہ عالم کا خلاصہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

انسانی ڈھانچے میں مختلف پانچ مقامات پر مختلف تعرفات کی وجہ سے روح کو پانچ ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے۔

قالبِ آدم کو نور سے منور کرنے کے بعد روح با خوشی خوشی قالب میں آہستہ آہستہ داخل ہونے لگی ابھی سر میں تھی کہ آدم علیہ السلام کو چھینک آئی اور زبان سے نکلا اَلْحَمْدُلِلّٰه حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔یَرْحَمُكَ اللّٰه یہی اب بھی سنت ہے جب روح کمر تک پہنچی تو حضرت آدم علیہ السلام نے اٹھنا چاہا، مگر گر پڑے کیونکہ نیچے کے دھڑ میں روح پہنچی ہی نہیں تھی حق تعالیٰ نے فرمایا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَجَلٍ (انسان جلد باز پیدا ہوگیا) جب تمام

بدن میں روح پھیل گئی تو حکم ہوا کہ فرشتوں کے پاس جا کر ان کو سلام کرو اور سنو وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں تب آدم علیہ السلام ادھر تشریف لے گئے اور فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ انھوں نے جواب دیا وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ ارشاد الٰہی ہوا کہ یہی الفاظ تمہارے اور تمہاری اولاد کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ حضرت آدم نے عرض کیا مولیٰ میری اولاد کون؟ تب ان کی پشت پر دست قدرت پھیر کر اس سے ساری انسانی روحیں نکالی گئیں اور آدم علیہ السلام کو سب دکھائی گئی۔ (سورۂ اعراف، آیت ۱۷۲)

آدم علیہ السلام کی تعمیر اللہ نے یا فرشتوں نے کی

تخلیق آدم علیہ السلام میں سب میں بڑا سوال یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو کس نے بنایا۔ بعض تصوف کی کتاب میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق فرشتوں نے کی مگر یہ جواب کمزور ہے کیونکہ آدم علیہ سلام کی تخلیق اگر فرشتے کرتے تو ابلیس یہ اعتراض کرتا کہ جس کو فرشتوں نے خود بنائے میں اس کو سجدہ نہ کروں گا اس سے پتہ چلتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق خود ذاتِ حق تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے کی جس کا جواز آیت قرآنی وحدیث نبویؐ وتفاسیر میں موجود ہیں۔

آدم علیہ السلام سے پہلے مٹی کی ساخت کی کوئی مخلوق نہیں تھی آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو مٹی سے بنایا گیا تا کہ ان میں عبودیت کے لیے تواضع فطری امر ہو اور خاشع خاضع اور منکسر الحال ہو کر زندگی بسر کریں اور انھیں طبعی طور پر سر بسجود ہونے کا شوق دامن گیر ہو اس لئے کہ سجدہ ہی عبودیت کاملہ کا مرکز ہے اور قاعدہ ہے کہ ''کند ہم جنس با ہم جنس پرواز''

یعنی مٹی کی جنسیت سے انھیں تواضع جیسی دولت نصیب ہوگی یہی راز تھا کہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے پیش آئے اور ابلیس نے تکبرّ کیا اور تواضع سے کوسوں دور ہٹ کر سجدہ سے انکار کر دیا۔ گویا اس نے اپنی جنس نار کی طرف جھکاؤ کیا۔

اہل حکمت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ آدم علیہ السلام کو ابتدا ہی ایک ہیت سے پیدا کرتا لیکن تدریجاً تخلیق فرمائی کہ مٹی پھر گارا پھر سیاہ بدبودار گارا پھر بجنے والی مٹی تا کہ حکمت کاملہ کا اظہار ہو یا اس لئے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ملائکہ کو مشاہدہ ہو۔

قَالَ يَاۤ اِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اس کیلئے سجدہ کر جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

(پارہ ۲۳ سورہ ص آیت ۷۵)

حکیم مطلق کی دیکھو حکمت کہ اپنے ہاتھوں سے خود مطب میں
بنایا انساں کا ایک نسخہ جہاں کے اجزاء ملا ملا کر

جیسے کہ آیتِ پاک سے صاف پتہ چل رہا ہے کہ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ جسے

میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ یعنی صرف اسے اپنے ہاتھوں سے بنانے کو خاص کیا ہے اور یہ آدم علیہ السلام کی بزرگی کی دلیل ہے۔ ارباب الحقائق فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بشر اس لیے کہا گیا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے براہ راست اپنے ہاتھوں اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا۔

سوال: یہاں بشر کو مباشرت سے لیا گیا ہے بمعنی دو جسموں کا بلا حائل ایک دوسرے کو لگنا اسی لیے جماع کو بھی مباشرت کہا جاتا ہے اور اللہ کا ہاتھ لگانا آدم علیہ السلام کو کیسا جبکہ وہ ذات جسمانیات سے منزہ و مقدس ہے۔

جواب: یہاں اس کا ہاتھ لگانا اس کی شان کے لائق ہے جیسے بھی ہے ہم صرف الفاظ کا اطلاق تو کر سکتے ہیں۔

تفسیر روح البیان میں پارہ ۲۳ صفحہ ۴۴۰ میں موصوف لکھتے ہیں کہ صرف آدم کی بلا سبب تخلیق ہوئی کہ جو شخص بغیر واسطہ کے پیدا ہو وہ اس کے مشابہ ہے کہ گویا اسے خود باری تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

تفسیر نعیمی جلد ۸ صفحہ ۳۸۶ میں علامہ لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے دو عظمتیں بخشی ایک جسمانی ایک روحانی جسمانی عظمت تو یہ کہ انہیں بلا واسطہ اپنے دست قدرت سے بنایا گیا جسم آدم خاص صنعتِ الٰہی ہے ۔خود فرماتا ہے۔ لما خلقت بیدی اسی لیے آپ کا لقب بشر ہوا یعنی مباشرت بالید والی چیز (دستی کاریگری) روحانی عظمت یہ کہ ان میں خاص اپنی روح پھونکی اسی طرح کہ روح آدم پر اپنی خاص تجلی ڈالی پھر آدم میں پھونکی خود فرمایا ہے۔

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ لٰہذا آدم علیہ السلام ان خصوصیتوں کی وجہ

سے تجلیۂ الٰہی کے ایسے مظہر ہوئے جیسے مظہر نہ فرشتے تھے نہ دوسری مخلوق اس لیے وہ فرشتوں کے مسجود بننے کے مستحق ہوئے۔

ابلیس اس راز کو نہ پاسکا اس نے یہ دیکھا کہ آپ کس (مٹی) سے بنے یہ نہ دیکھا کہ آپ کیسے بنے اس نے یہ دیکھا کہ آپ یوں بنے یہ نہ دیکھا کہ کیوں بنے اس کی عقل چکر کھا گئی۔ حسد نے اسے اندھا کر دیا اگر اس کے پاس حقیقت میں آنکھ ہوتی تو اسے رخسار آدم میں جلوۂ یار نظر آتا۔
(تفسیر نعیمی)

حدیث شریف میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا گارا اپنے قدرت کے ہاتھ سے چالیس دنوں تک ملایا اور یہ بھی مروی ہے کہ اس کا ہر دن ہمارے ہزار سال کے برابر تھا۔ بایں معنی آدم علیہ السلام کی تخمیر پر چالیس ہزار سال گزر گئے جبکہ زمین و آسمان اور ان اشیاء کو چھ دنوں میں پیدا کیا اس لحاظ سے چودہ طبق اور ان کے مابین کی جملہ اشیاء پر صرف چھ ہزار برس گزرے۔

نکتہ : کیونکہ آدم علیہ السلام میں آسمانوں اور زمینوں اور ان کے مابین جملہ اشیاء کا ہر نمونہ پیدا کیا گیا علاوہ ازیں خلافت کا حامل بنانا مطلوب تھا اس کے اندر خلافت کے اسرار کے قبول کرنے کی استعداد تیار کی گئی اسی نے تجلیات ذات وصفات حاصل کرنے تھے، اس میں ایسی قابلیت رکھی گئی تھی پھر وہ کنزاً مخفی (میں مخفی خزانہ تھا مجھے محبت ہوئی کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا) جس کے لئے کائنات کی تخلیق ہوئی اس کے ظاہر کرنے کا شیشہ اسی میں مطلوب تھا نیز وہ آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں اور ان کے مکینوں اور ملائکہ کے سامنے پیش کی گئی تو سب نے انکار کر دیا اس امانت کا

اٹھانا اسی کے ذمہ ہو گیا اس کی استعداد بھی اس کے اندر پیدا کرنا مقصود تھا وجود مذکورہ کے پیش نظر تخلیق وتخمیر آدم علیہ السلام پر بہت طویل عرصہ درکار تھا لیکن باوجود صرف چالیس ہزار سال میں یہ کام تمام ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (پارہ ۲۵ سورۂ سجدہ حم آیت ۵۳)

ترجمہ: اپنے کمالات وصفات مظاہر آفاق ومرآت نفوس میں تمہیں دکھاؤں گا بشرطیکہ تم اپنے زمانہ کے نبی یا ولی سے اپنے نفوس کی تربیت وتزکیہ کرو، لیکن اپنی طرف سے مجھ سے ایسے مقام کے حصول میں عجلت نہ کرو۔ یاد رہے کہ اس مقام کی طلب مہد سے لحد تک حاصل کی جاتی ہے بلکہ میرے نزدیک اس کی طلب ازل سے ابد تک جاری رہتی ہے اور یہ وہ پروگرام ہے جو شہباز وقت کامل ولی سمجھ سکتا ہے۔

تفسیر نعیمی جلد اول صفحہ ۲۵۳ پر علامہ لکھتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے خاص اپنے دست قدرت سے اس گارے کو حضرت آدم علیہ السلام کا قالب بنایا اور ان کی صورت تیار کی (تفسیر عزیزی ونعیمی) کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے تیار فرمایا چند روز اس مٹی پر بارش فرمائی جب گارا، مٹی بدبودار سیاہ رنگ کی ہو گئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تصویر کھینچی یعنی ان کی صورت بنائی۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ (پارہ ۸ سورۂ اعراف آیت ۱۱)

ترجمہ: اور تحقیق پیدا کیا ہم نے تم کو پھر صورت بنائی ہم نے تمہاری۔

وَ صَوَّرَ کُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَ کُمۡ (پارہ ۲۸ سورۃ التغابن آیت ۳)

ترجمہ: اور تمہاری تصویر کی تو تمہاری اچھی صورت بنائی۔

وَ صَوَّرَ کُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَ کُمۡ

(پارہ ۲۴ سورۃ المومن آیت ۶۴)

ترجمہ: اور تمہاری تصویر کی تو تمہاری صورتیں اچھی بنائیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا نقشہ وصورت خود رب نے اپنے دست قدرت سے بنایا۔ (تفسیر نعیمی جلد ہشتم سورۃ الاعراف صفحہ ۳۷۹)

چونکہ آدم علیہ السلام کی پیدائش بھی شاندار ہے انھیں صورت بخشا بھی شاندار اس لیے قرآن مجید میں خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوۡرَتِہٖ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی پسندیدہ صورت پر پیدا کیا۔ (بخاری اور مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب)

یہی صورت خدا کو پیاری ہے

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ۔ ترجمہ:۔ یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا (سورہ تین)۔ ایسی شاندار صورت اللہ نے خلقت میں کسی کو عطا نہ فرمایا۔ نہ فرشتوں کو نہ جنات کو نہ دیگر مخلوقات کو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو اس طرح پیدا فرمایا کہ اس کا منہ نیچے کو جھکا ہوا ہے صرف انسان کو دراز قامت، سیدھا بنایا۔ جو اپنے ہاتھوں سے کھاتا پیتا ہے پھر اس کے اعضاء کو نہایت تناسب کے ساتھ بنایا ان میں جانوروں کی طرح بے ڈھنگا پن نہیں ہے ہر اہم عضو دو۔ دو بنائے ان میں نہایت مناسب فاصلہ رکھا پھر اس میں عقل وتدبیر فہم وحکمت اور سمع وبصر کی قوتیں ودیعت

کیں دراصل انسان اللہ کا مظہر اور پرتو ہے۔

تفسیر روح البیان (پارہ نمبر ۲۴ صفحہ ۵۳) میں موصوف لکھتے ہیں یاد رہے۔

انسان ارضیہ سماویہ ملائکہ سے رتبہ وفضیلت وکمال بلکہ شرف حال اعلیٰ ہے اس لیے کہ وہ ایسا عنصر ہے جو اللہ کے ہاتھ سے پیدا شدہ ہے اسی لئے ملائکہ کو نہ یہ شرف نصیب ہے نہ وہ اس کے رتبہ کمال کو پہنچ سکتے ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا۔

فرشتہ عشق ندا ند کہ چست قصہ مخوان
بخوان جام و گلابے بخاک آدم ریز

(ترجمہ) فرشتہ عشق کو نہیں جانتا اس لیے یہ قصہ نہ چھیڑیئے ہاں خاکِ آدم میں گلاب چھڑک دیجئے یعنی عشق صرف آدم سے مخصوص ہے۔

سرکار پیر عادل بیجاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

میری ہستی فرشتے کیا جانے
مظہر ذاتِ کبریا ہوں میں

آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنانے کا راز یہی تھا کہ حق تعالیٰ کے بہت سے صفات اب تک ظاہر نہ ہوئے تھے۔ کیونکہ کوئی ایسا کامل مظہر نہ آیا تھا جو ان سب کو ظاہر کرے اس لیے منشاء الٰہی یہ ہوا کہ اپنا خلیفہ ایسا بناؤ جو ملک کو ملکوت سے خلق کو امر سے ظلمت کو نور سے غم کو سرور سے ملادے نیچوں کو اوپر پہنچادے اور اوپر کی رحمتیں نیچے والوں تک لادے اور جو اپنے ظاہری و باطنی صفات سے میرے تمام اوصاف ظاہر کردے اس میں روح وروحانیت جسم وجسمانیت سماء

اور سماویات ارض اور ارضیات دنیا اور دین جمادات اور نباتات اور حیوانات ملکوت اور ملکوتیات سب جمع ہوں جو اپنے وجود سے رب کا وجود اپنی وحدانیت سے رب کی وحدانیت اپنی زندگی سے رب کی حیات اپنی قدرت اور ارادہ، سمع و بصر اور کلام اور علم سے رب کی قدرت اور ارادے اور سمع بصر علم وغیرہ کو ظاہر کردے اور اپنی روح کی لامکانیت اور جہتیت سے رب کی ان صفات کو ظاہر فرما دے۔ ان تمام دلائل کی روشنی میں بات واضح ہو چکی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر بذات حق تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے فرمائی۔

خلافتِ آدمؑ پر اعتراض

یاد رہے تخلیق آدم پر نہ فرشتوں کو اعتراض تھا نہ ابلیس کو کیوں کہ آدم علیہ السلام سے قبل اللہ تعالیٰ نے نہ جانے کتنے مخلوقات کو وجود میں لا چکا تھا مگر کسی پر اعتراض نہ ہوا کیونکہ فرشتوں کو تخلیق آدم پر نہیں بلکہ خلافت آدم پر اعتراض تھا جب حق تعالیٰ نے اپنا خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام کی خبر فرشتوں کو دی۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً

ترجمہ: اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ (پارہ اول سورۂ بقرہ آیت ۳۰)

یہ خلافت نہیں۔ ہے یہ پیغمبری
قابل دید اپنی نظر چاہیے

(معروف پیر)

یہ خبر سنتے ہی ابلیس کو حسد اور فرشتوں کو حیرت ہوئی کیونکہ ابلیس اپنے آپ کو اللہ کا نائب سمجھ رہا تھا جب پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو اپنا نائب بنا رہا ہے تو ابلیس کے دل میں آدم علیہ السلام کے لئے حسد پیدا ہو گیا۔ اور خاص کر فرشتوں کو بھی اپنے خلیفہ ہونے کی قوی امید تھی کیونکہ وہ طاقتور عبادت گزار اور معصوم بندے تھے اور وہ یہ بھی جانتے تھے یہ خلافت آدم علیہ السلام کے ذریعے اولاد آدم میں رہیگی جو خون ریزی و فساد کریں گے۔

کیا ملک میری حقیقت سمجھتے علوی
ان کا استاد نہ سمجھا وہ معمّا ہوں میں

قَالُوٓا أَتَجۡعَلُ فِيهَا مَن يُفۡسِدُ فِيهَا وَيَسۡفِكُ ٱلدِّمَآءَ

ترجمہ: فرشتے بولے کیا ایسے کو نائب کرے گا جو زمین میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزی کرے گا۔ (پارہ نمبر اول سورۂ بقرہ آیت نمبر ۳۰)

کیونکہ وہ لوح محفوظ دیکھ چکے تھے۔ اب دوسرا یہ کہ رب نے انہیں علم غیب بخشا ۔تا نکہ سعادت و شقاوت کی انھیں خبر رہے تیسرا جنّات نے بھی خرابیاں کی تھیں اور جو شہوت اور غصہ ان میں تھا۔ وہ انسان میں بھی ہے لہذا ان دونوں کے کام یکساں ہی ہوں گے خیال رہے۔ کہ ان کی مراد فساد سے گناہ اور بدکاریاں ہیں چونکہ انسان میں شہوت ہے اس لیے وہ اپنے سارے اعضاء کو گناہوں میں صرف کرے گا اپنے کان اور آنکھوں کو غیبت چغلی سننے اور نا محروم عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھنے میں صرف کرے گا اور زبان سے کفریات بکنے جھوٹ بولنے بروں کو بھلا کہنے اور بھلوں کو گالیاں دینے میں استعمال کرے گا اور چونکہ اس کو بھوک و غصہ بھی ہے اس لیے گوشت کھانے اور

پوست لینے کے واسطے خشکی اور دریائی جانوروں کو قتل کرے گا بلکہ ملک اور مال حکومت عزت حاصل کرنے کے لئے خود انسانوں کو قتل کر کے زمین کو خون سے رنگین کرے گا جب فرشتوں نے دیکھا کہ یہ خلافت گنہگاروں میں چلی جائے گی تب انھوں نے کہا۔

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ (پارہ اول سورہ بقرہ آیت ۳۰)

ترجمہ: اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے ہیں۔ اور تیری پاکی بولتے ہیں۔

یعنی ہم دن رات تیری بندگی کرتے ہیں تیری پاکی بول کر، تیرا شکر گزار کر تیری عظمت بیان کر کے تیرا حکم بجالا کر۔ لہٰذا اگر ہم کو اس خلافت سے سرفراز فرمایا جائے تو تیرا عین کرم ہوگا کیونکہ ہم فرشتوں میں گناہ کرنے کا مادّہ ہی نہیں ہے نہ ہم میں غضب ہے نہ غصہ ہے نہ شہوت ہے نہ غرور ہے جس کی وجہ سے تیری زمین گندی نہ ہوگی۔

جس کو سن کر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا قَالَ اِنِّي اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے یعنی اے فرشتوں ہم کو تمہاری عبادت اور انسان کی نافرمانی کا پورا پورا علم ہے مگر پھر بھی اس کو خلیفہ بنانے میں جو راز ہیں وہ تم نہیں جانتے۔ تم میں اور اس میں چند فرق ہیں اسی وجہ سے وہ خلافت کا زیادہ حقدار ہے ایک یہ کہ تم کامل عابد اور وہ کامل عالم ہوگا۔ اور عابد کے لئے مسجد کا محراب اور عالم کے لئے خلافت کا تخت و تاج ہے دوسرا یہ کہ تمہارا تعلق فقط عالم ارواح سے ہے اس کا تعلق اجسام و ارواح دونوں سے ہوگا کیونکہ اسے جسم اور روح دونوں ملیں گے تیسرا یہ کہ یہ تمہاری عبادت جبری

ہے وہ تمہاری غذا ہے ان کی عبادت اختیاری ہوگی چوتھا یہ کہ تمہیں عبادت سے کوئی چیز روکنے والی نہیں اس کے لیے ہزاروں چیزیں درپیش ہوں گی۔ پھر وہ ان سب پر لات مار کر ہماری اطاعت کرے گا۔ اس لیے اس کا ایک سچا سجدہ تمہاری ہزاروں عبادتوں سے افضل ہوگا پانچواں یہ کہ تم میں کوئی گہنگار نہیں اس لیے تم سے ہماری شان ستاری وغفاری ظاہر نہیں ہوسکتی ان میں گنہگار بھی ہوں گے جن کے گناہوں کو میں چھپاؤں گا اور جب وہ روتے ہوئے توبہ کریں گے تو میں مغفرت کروں گا۔

بے شک ان میں شہوت اور غصہ ہوگا مگر جب وہ میرے لئے صرف ہوگا تو اس سے بڑے بڑے عمدہ نتیجے نکلیں گے اس کے دل میں میرے عشق اور محبت کا جوش اور اس کے خیال میں میرا جذبہ ہوگا اور جب وہ اپنا غصہ میری رضا کے لئے استعمال کرے گا میدان جہاد میں جانباز غازی بن کر آئے گا اور شہید یا فتح مند ہوکر لوٹے گا اور چونکہ ان میں یہ برائیاں قباحتیں ہوگی اس لیے ان میں رسول کتابیں اور احکام بھیجے جائیں گے اور ان سے وعدے وعید کیے جائیں گے۔ اے فرشتوں جس طرح ان میں فاسق و فاجر و بدکار ہوں گے ایسے ہی ان میں عابد و زاہد متقی و پرہیز گار بھی ہوں گے میرے وفادار میرے راز دار بھی ہوں گے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ ان میں احمد مختار ہوں گے اور ان کے صحابہ کبار اور اہلبیت اطہار ہوں گے۔ چھٹا یہ کہ تم صرف رکوع وسجدہ کی عبادتیں کرسکتے ہو انسان ہزار ہا ایسی عبادتیں کرے گا جو تم نہیں کرسکتے ہو وہ بھوکا رہ کر روزدار۔ مسافر بن کر حاجی میری راہ میں لڑ کر غازی میرا قرآن پڑھ کر قاری دشمنوں

میں فیصلہ کر کے قاضی چہرۂ پاک محمد مصطفیٰ کو دیکھ کر صحابی بنے گا۔
غرض یہ کہ ہر عضو سے صدہا عبادتیں انجام دے گا ساتواں یہ کہ اے فرشتوں اس انسان کے طفیل تم کو ہزارہا عبادتیں نصیب ہوں جائیں گی جو اب تم نہیں کر سکتے پھر تم ہی میں کوئی حامل وحی بن کر فرشتوں کا سردار بنے گا کوئی بدر کے میدان میں مجاہد کے ساتھ شرکت کر کے ہم سے تمغہ پائے گا کوئی کاتب اعمال بنے گا آٹھواں یہ کہ اسے دردِ دل اور عشق ملے گا۔

اولادِ آدم کا آدم علیہ سلام پر اعتراض

سوال : حضرت آدم نے ہم کو جنت سے نکالا خطا انھوں نے کی بھگت ہم رہے ہیں۔

جواب : یہ بالکل غلط ہے بلکہ تم جیسے بے دینوں نے آدم علیہ السلام کو جنت سے باہر نکالا کیونکہ تم ان کی پشت میں تھے اور جنت بے دینوں کی جگہ نہیں ہے اس لیے مرضی الٰہی یہ ہوئی کہ آدم ان بے دینوں کو زمین پر پھینک آئیں پھر ہمیشہ کے لیے جنت میں تشریف لائیں یاد رہے انسان کو پلیدی پائخانہ میں لیے جاتی ہے نہ کہ پلیدی کو انسان یعنی جب حاجت ہوتی ہے تب اس کے نکالنے کے لیے پائخانہ جانا پڑتا ہے۔

خلیفہ کے معنی

مخفی نہ رہے کہ خلف سے خلیف اور خلیف سے خلیفہ بنایا گیا ہے اور اس کی جمع خلائف ہے۔ خلف باختلاف حرکات کثیر المعانی ہے۔ خلف بفتح اول و سکون ثانی پیچھے آنے والا اور فرزند نالائق اور قرن بعد قرن ہو اور بفتحین فرزند لائق کو کہتے ہیں یعنی پیچھے آنے والا یا پیچھے چھوڑا چونکہ بیٹا باپ کے بعد آتا ہے اس کو خلف کہتے ہیں۔ اور پھر وہ اپنے باپ کا قائم مقام ہو جاتا ہے اور جو سوار کے پیچھے کوئی سواری ہو یا حوائج ضروری اس کو خلیف اور ردیف کہتے ہیں اور جو بڑا بادشاہ اپنے کل اختیارات سلطنت کسی کو سپرد کر دے تو اس کو نائب و خلیفہ کہتے ہیں اور بادشاہ کا نائب اور خلیفہ وہ ہو سکتا ہے جو بادشاہ کے ذاتی و صفاتی اوصاف رکھتا ہو۔ مثلاً انسان کا نائب انسان ہی ہوگا نہ گھوڑا نہ گدھا اور ہر علم و فن کے استادوں کا یہ دستور ہے کہ جب اپنے کسی شاگرد کو اپنے علم و ہنر کی پوری تعلیم و تکمیل کر دیتا ہے تو اس کے سر پر پگڑی باندھ کر اپنے اکھاڑہ کا خلیفہ اور اپنا قائم مقام بنا دیتا ہے تاکہ وہ اور شاگردوں کو اپنے استاد کے سامنے تعلیم کرے۔ چنانچہ علماء میں دستار فضیلت اور فقراء میں خرقۂ خلافت ہے۔

اسکولوں اور کالجوں میں ڈگری کی سند دی جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جمیع اسماء و علوم و فنون کی تعلیم و تکمیل پورے طور پر کر دی

۔چنانچہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا سے ثابت ہے اور پھر اپنا نائب وخلیفہ بنایا اور اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ کی دستار ان کے سر پر رکھ کر عالم ناسوت کے اکھاڑہ میں بھیج دیا۔تا کہ دوسروں کو تعلیم کریں اور تفسیر بحر الحقائق میں لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام کو اس لئے خلیفہ کیا گیا ہے کہ وہ جمیع موجودات ومکونات کے خلف ہیں۔ان کے بعد خلیفۂ حق دوسری کسی مخلوق میں نہیں ہوسکتا۔(ہاں بے شک یہ خاتم خلائف ہیں جیسے رسول علیہ الصلوۃ و السلام خاتم انبیاء) کیونکہ آدم علیہ السلام مجموعہ غرائب ومنبع غیب وشہادت و خلاصۂ عوالم جسمانی وروحانی وجامع حقائق علوی وسفلی ہیں۔نیز

"خلیفہ اس حجاب کا نام ہے جو آئینہ کے پس پشت لگایا جاتا ہے"

تا کہ ہر شخص اپنے حسن وجمال کا نظارہ کرے اسی لئے قَلْبُ الْاِنْسَانُ مِرْاٰةُ الرَّحْمٰن کہا گیا ہے یعنی قلب انسانی آئینہ رحمانی ہے اس آئینہ میں اللہ تعالیٰ اپنے حسن وجمال کا جلوہ ملاحظہ فرماتا ہے۔چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ صُوَرَکُمْ وَ اَمْوَاْلَکُمْ وَ لٰکِنْ یَنْظُرُ قُلُوْبُکُمْ وَ اَحْوَالُکُمْ یعنے اللہ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا لیکن تمہارے دلوں کو اور اعمال واحوال کو دیکھتا ہے۔پس اس سے واضح ہو گیا کہ قلب انسان کامل بالفعل اور قلب عوام الناس بالقوۃ ضرور خدائے تعالیٰ کا آئینہ ہے اور اگر کوئی شخص اس راز مخفی پر لب کشائی کرے تو منصور وار دار پر ضرور کھینچا جائے۔

خلافت کیا ھے؟ خلیفہ کون؟

جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ خاص کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہے تو اپنے خلیفہ کی روح کے لئے بہترین نزول گاہ تیار فرماتا ہے تاکہ وہ دینوی زندگی اس میں گزار سکے یعنی اس کا جسم اس کی اعلیٰ بیٹھک تیار کی جاتی ہے اس میں عرش بچھایا جاتا ہے تاکہ وہ اس میں آرام وسکون پاسکے یعنی قلب انسان کے اندر بمنزلہ عرش کے ہے اوراس کی خدمت کے لئے نفس کو خادم مقرر کیا جاتا ہے اگر انسان اپنی انسانیت پہ برقرار رہے یعنی جس فطرت پر اسے بنایا گیا اسے محفوظ رکھے تو اس کی روح اللہ تعالیٰ سے براہ راست فیض پاکر خلافت حق سے نوازا جائے اوراس کا عرش قلب فیض الٰہی کا مرکز ہو قلب روح کی خلافت سے اپنے خادم نفس کو فیض پہنچاتی ہے اور نفس خلافت قلب سے قالب (جسم) کو فیض بخشتا ہے اور جسم خلافت نفس سے دنیا کو فیضیاب کرتا ہے یہی ارض اللہ ہے ان اسباب و الآت سے روح اللہ کی زمین کا خلیفہ ہے۔

حقیقی خلافت اس میں انسان کے کسب کو دخل نہیں بلکہ یہ فضل وعطائے الٰہی ہے جسے چاہے عطا فرمائے خلافت کی استعداد صرف انسان میں ہے جیسا کہ فرمایا وَ جَعَلْنَا کُمْ خَلَا ئِفَ الْاَرْضِ اور ہم نے تمہیں سے زمین کے خلیفے بنائے انسان میں خلافت کی استعداد بالقوہ ہے بالفعل اس مرتبہ کو شاذ ونادر چند حضرات پہنچ سکے خلافت کا تعلق عالم معانی سے ہے جیسے خلق کا

تعلق عالم صور سے ہے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی صورت کی خبر دی تو فرمایا اِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ اور جب اس کے معنی کی خبر بخشی تو فرمایا اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَة روح انسانی ہی فیض اول ہے یہی وہ پہلی شئے ہے جس کے ساتھ امر کن متعلق ہوا۔ اسی لیے روح کی طرف امر کو منسوب فرمایا كَمَاقَالَ اللّٰهَ تَعَالیٰ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّي ۔ فرمایا روح امر ربی ہے جب ثابت ہوا کہ روح ہی فیض اول ہے تو خلیفہ یہی ہے روح انسانی ہی ذات وصفات الٰہی کا خلیفہ ہے ذات کا خلیفہ تو بایں معنی ہے کہ اس کا وجود بلا واسطہ وجود الٰہی سے ہے اس اعتبار سے اس کا وجود وجود الٰہی کا خلیفہ ہوا اور صفات کا خلیفہ بایں معنی ہے کہ اس کی صفات کا وجود صفاتِ الٰہی سے بلا واسطہ ہیں تو پھر جو ذات وصفات روح کے وجود و صفات کے بعد ہوں گی تو اس کے واسطے سے ہوگی اس اعتبار سے وہ ذات و صفات میں اللہ کے خلیفہ کی خلیفہ ہوگی ایسے ہی ہر خلیفہ کی اسی نسبت کا قیاس کریں اس معنیٰ پر جسم انسانی سب سے نچلے درجہ کا خلیفہ ہوگا کیونکہ وہ تمام موجود سے نچلا اور سب سے آخر میں فیض الٰہی کو قبول کرنے والا ہے اسی لیے خلافت سے اسے بہت کم حصہ نصیب ہوا۔

ضروری ہدایت

کچھ کم عقل مسلمان اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً کی آیت کو پڑھ کر کہتے ہیں ہم کو اللہ نے اپنا خلیفہ خود قرآن میں کہا ہے۔ مگر یہ ان کی ناسمجھی

ہے۔ اگر اسی طرح ہوتا تو یہ بات بزرگوں کو پہلے سمجھ میں آجاتی کیونکہ انھوں نے ان سے پہلے قرآن پڑھا ہے اور سمجھا بھی ہے پھر نہ وہ بیعت ہوتے نہ سلسلہ جاری و ساری رہتا نہ سیدنا غوث پاکؓ کو کسی پیر کے ہاتھ پر بیعت ہونے کی ضرورت پڑتی۔ اور خواجہ غریب نوازؒ کو کیا ضرورت تھی خواجہ عثمان ہارونیؒ کے دستِ حق پر بیعت ہونے کی۔ کیا وہ لوگ قرآن پاک نہیں پڑھتے تھے؟ کیا ان کی نظر سے یہ آیت نہیں گزری تھی؟ ضرور گزری اسی وجہ سے وہ بیعت بھی ہوئے۔ اسی قرآن پاک میں سب میں پہلے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الحمد للہ رب العلمین اللہ تعالیٰ تمام عالم کا پالنے والا ہے۔ پھر تم گھر پر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کیوں نہیں بیٹھتے؟ کیا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہیں؟ پھر کیوں ذریعۂ معاش تلاش کرتے ہو؟ یہ بات تم بھی جانتے ہو کے اللہ تعالیٰ بغیر ذریعہ کچھ بھی عطا نہیں کرتا۔

بے شک پالنے والا اللہ ہی ہے مگر ذریعہ تلاش کرنا ہم پر ہی فرض ہے۔ اسی قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ہم نے تمہارے جوڑے بنائے، کیا تم جانتے تھے کہ وہ جوڑے کون تھے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں خبر دی تھی۔ اگر معلوم بھی ہو جائے کہ یہ میرا جوڑا ہے تب بھی تم اسے گھر نہیں لے جا سکتے۔ بلا نکاح وہ جوڑا تم پر حرام۔ ہو جائے گا۔ رسم نکاح گواہ و قاضی سے ادا کرنا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خلق الانسان ہم نے انسان کو پیدا کیا۔ پھر تم اپنے نام کے ساتھ اپنے باپ کا نام کیوں لگاتے ہو؟ شیطان کو بھی یہی گمان تھا کہ میں اللہ کا خلیفہ ہوں۔ یہی گمان شیطان کو راندہ درگاہ کردیا۔

سوال: حضرت آپ نے خود ہی لکھا ہے کہ انسان اللہ کا خلیفہ ہے پھر اعلان

کیوں نہ کرے۔

جواب : خیال رہے یہ کتاب تصوف پر مبنی ہے اور تصوف کی تعلیم بغیر پیر کامل کے حاصل نہیں ہوتی۔ خلافت طریقت میں ہے نہ کہ شریعت میں۔ اس لیے مدرسوں میں عالم بنائے جاتے ہیں اور خانقاؤں میں ولی۔ کیونکہ خلافت بمعنی ولایت ہے۔ اشارہ کافی ہے۔

خلافت کے اقسام

خلافت دو قسم کی ہیں ایک نبوّت کے ساتھ اور ایک نبوّت کے بغیر: پہلی قسم کی خلافت صرف حق تعالیٰ کے انتخاب سے ہی ہوگی۔ کسی کی رائے کا اس میں دخل، نہ ہوگا کیونکہ نبوت انتخابِ الٰہی ہے نہ تو اس میں عمل کو دخل ہے نہ کسی کی رائے کو۔ دوسرے قسم کی خلافت یعنی بغیر نبوت والی جو، ختم نبوت کے بعد حضور اکرمؐ نے عطا فرمائی جسے مشائخین عظام نے جاری وساری رکھیں ہیں۔ یہاں انتخاب اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے۔ مگر خلافت مشائخین کے ذریعہ عطا کی جاتی ہیں۔ اگر یہ خلافت بھی اللہ تعالیٰ بلا واسطہ عطا کرتا تو نبوت اور خلافت میں کیا فرق رہ جاتا۔

خلافت کے معنی

خلافت بمعنی کسی کا نائب بننا۔ قائم مقامی امامت یہ چار طرح سے ہوتے

ہیں۔

(۱) جس کا نائب بنا ہو وہ غائب ہو (۲) اس پر موت واقع ہو (۳) وہ اس کام کی سرانجامی سے عاجز ہو۔ (۴) خلیفہ کو عزت بخشنا مطلوب ہو۔ اسی چوتھے معنی پر ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو زمین پر اپنا نائب بنایا

''خلیفہ کس کو کہتے ہیں؟''

خلیفہ خَلْفٌ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پیچھے۔ خلیفہ بروزن فعیل صفت کا مشبہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں پیچھے آنے والا یا نائب جو کسی کے پیچھے یا غیر موجودگی میں اس کا کام کرے۔

نکتہ : خدا تو ہر وقت موجود ہے پھر اس کو خلیفہ بنانے کی کیا ضرورت مگر بندوں کو ضرورت ہے کیونکہ حق تعالیٰ تک ان کی رسائی نہیں درمیان میں ایک ایسے واسطے کی ضرورت پڑی جو رب سے فیض لے اور بندوں تک پہنچائے۔ چونکہ لوگوں کی نگاہ سے حق تعالیٰ کی ذات بھی غائب ہے اسی وجہ سے تو اس نے اپنا خلیفہ بنایا تا کہ لوگ ظاہر خلیفہ سے، فیض لے سکیں اگر خلیفہ بھی غائب ہو جائیں تو خلافت کا مقصد ہی پورا نہ ہوگا۔ نیز اگر غائب کی خلافت صحیح ہوتی تو نبی کریم ﷺ ہی قیامت تک خلیفہ رہنے چاہیے۔ حضرت علیؓ اور امام مہدی کی خلافت کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔

نوٹ : خیال رہے کہ خلیفہ اصل کی صفات کا مظہر ہوتا ہے۔ اگر مظہر نہ ہو تو صحیح معنی میں خلیفہ نہیں۔ سلطان کا نائب جو اس کے پیچھے سلطنت کو

سنبھالے۔ سلطان ہوگا اور سلطان جیسے کام کرے گا۔ تیمم وضو کا خلیفہ ہے تو وضو کے جیسے کام کرے گا ورنہ خلیفہ نہیں خلیفے کے لئے معصوم ہونا ضروری نہیں ۔اگر معصوم ہونا ضروری ہوتا تو فرشتے ہی بنائے جاتے۔ حق تعالیٰ نے انسان کے گہنگار ہونے کا انکار نہ فرمایا بلکہ صرف یہ فرمایا کہ گنہگاروں کو ہی خلافت دینی مصلحت ہے۔ خلیفہ عبادت کے لئے نہیں بلکہ ہدایت کے لئے بنایا جاتا ہے۔ یہی بات فرشتے عرض کررہے تھے کہ باری تعالیٰ اگر تیرا مقصد عبادت ہے تو ہم تیری دن رات عبادت کرتے ہیں۔ کیونکہ عبادت بھی بغیر ہدایت کے شرک بن جاتی ہے جیسے مشرکین تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا، کعبہ کا ننگا طواف دیگر ارکان عبادت سمجھ کر کررہے تھے، جیسا کہ آج کل، بھی کئی مذاہب میں کررہے ہیں۔ مگر ہم اسے شرک و کفر کہتے ہیں، کیونکہ وہ سب عبادتیں بغیر ہدایت کے کی جارہی ہیں۔ ہاں علم داں ہونا ضروری ہے کیونکہ بغیر علم کے وہ ہدایت نہیں کرسکتا۔ علم ہی کا مقابلہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور آدم علیہ السلام کے درمیان کرایا۔ جس سے آدم علیہ اسلام کی فضیلت فرشتوں پر ظاہر ہوئی۔

سوال : خلفاء کا سلسلہ آدم سے لے کر ایں دم تک جاری ہے۔ تو کیا وہ خلیفۃ اللہ ہیں یا خلیفۃ الرسول؟

جواب : حضرت شیخ اکبر محی الدین عربیؒ کہتے ہیں کہ باطن کے لحاظ سے خلیفۃ اللہ ہیں۔ اور ظاہر کے لحاظ سے خلیفۃ الرسول جس معدن جس مقام سے نبی لیتے تھے اسی مقام سے انسان کامل صاحب الزماں غوث قطب

طرح اولیاء بھی تابع نبی ہیں ۔ حالانکہ صاحب وحی دونوں ہیں ۔کوئی ولی قرآن وحدیث متواتر کی جو یقینی ہیں خلاف نہیں کرسکتا ہاں حدیث ضعیف و احادیث کی تصحیح رسول خدا سے کر لیتے ہیں ۔کیونکہ حدیث گوعدل نے عدل سے روایت کی مگر وہم اور روایت بالمعنی اور ذاتی فہم کی غلطی سے معصوم نہیں ۔ لہٰذا وہ رسول خدا سے راست دریافت کر لے سکتے ہیں ۔

(فصوص الحکم فص داؤدیہ صفحہ ۳۰۸)

خرقۂ خلافت کیا ھے ؟

جب مرید رازِ مخفی ورموز فقرائی اسرارِ جلی وخفی سے واقف ہو جاتا ہے تب اس مرید کو چار پیر چودہ خانوادہ کے روبرو پیر خرقۂ خلافت واجازت بعیت عطا فرماتا ہے جس کی رسم میں خرقۂ وتاج پہنایا جاتا ہے ۔تاکہ عام لوگوں سے ان کی شناخت ہوسکے اور تمام مخلوق ان کی نگہبان ہوجائے کہ اگر اپنی روش کے خلاف قدم اٹھائیں تو ان کو ملامت کریں اور اگر چاہیں کہ اس لباس میں کوئی گناہ کریں تو شرما جائیں ۔ بہر حال خرقہ اولیاء اللہ کی زینت اور اس کا پہننا مسنون ہے اور دہرا کپڑا پہننا مشائخ اور علمائے سلف کی سنت ہے بزرگوں نے کہا ہے کہ دہرا خرقہ پہننا بہت اچھا ہے ۔چوڑی اور کشادہ آستین رکھنا بھی صحابہؓ اور مشائخِ قدیم کی سنت ہے تاکہ وضو کرنے اور دوسرے کاموں کے وقت اوپر چڑھانے میں آسانی ہو لیکن وہ شیخ جو مرید کو خرقہ پہناتا ہے ایسا

مستقیم الحال ہونا چاہیے جو راہِ طریقت کی اونچ نیچ سے گزر چکا ہو اور احوال کی لذتیں چکھ چکا ہو۔ جلال کا اور جمال کا لطف اٹھا چکا اور اس مرید کے باطنی احوال سے باخبر ہو کہ وہ اپنی انتہا میں کہاں تک پہنچے گا۔ پلٹ جائے گا یا منزل تک رسائی حاصل کریگا۔ کیونکہ مشائخ دلوں کے طبیب ہوتے ہیں۔ جب تک معالج بیمار کے مرض سے واقف نہ ہوگا علاج نہ کر سکے گا بلکہ اپنی طلب پر ہلاک کر دے گا اور جبکہ اس کی غذا جو مفید ہے اور پرہیز جس میں اس کے نقصان و خطر ہے نہ جانے گا تو بیماری کے خلاف علاج کرے گا۔ اسی لیے شریعت کا فتویٰ ہے اَلشَّیۡخُ فِی قَوۡمِہٖ کَا النَّبِیُّ فِی اُمَّتِہٖ ۔ (شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی امت میں) بزرگان دین فرماتے ہیں کہ معراج سے حضور ﷺ نے کئی نعمت لائے جس میں کچھ نعمت خاص تھی کچھ عام اس خاص نعمت میں خرقہ مبارک بھی تھا۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنے چاروں صحابہ کرام سے سوال کیا کہ اگر یہ خرقہ میں تمہیں عطا کردوں تو تم کیا کرو گے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا میں اسے پہن کر صداقت پھیلاؤں گا اور حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا میں عدل و انصاف کروں گا۔ حضرت عثمان ؓ نے فرمایا میں سخاوت کروں گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے کہا میں لوگوں کی عیب پوشی کروں گا یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ خرقہ مبارکہ کے تم ہی حق دار ہو کیونکہ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے کہا تھا جو اس خرقہ کو پہن کر میری شان ستّاری کا اظہار کرے تم اس کو یہ خرقہ عطا کرنا۔ بعض جگہ یوں آتا ہے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کا وقت آخر آیا آپ نے اپنا خرقۂ مبارک اپنا

اعصاء مبارک اور حجر اسود حضرت شیث علیہ السلام کو عطا فرمایا کئی نسل در نسل چل کر یہ خرقہٗ مبارک و اعصاء مبارک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ اذھبوا لقیمص سے وہی قمیص مبارک مراد ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بہشتی قمیص دے کر بھیجا اور ایک گھوارہ بھی وہی قمیص حضرت جبرئیل نے ابراہیم علیہ السلام کو پہنایا اور گھوارہ میں بٹھایا۔ بعد میں ابراہیم علیہ السلام نے وہی قمیص حضرت اسحاق علیہ السلام کو پہنایا اور اسحاق علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ بعد میں وہی قمیص حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے نابینا والد کے پاس بطور شہادت بھیجی جس کو یعقوب علیہ السلام نے اپنی آنکھوں پر لگاتے ہی بینا ہو گئے۔ یہی راز ہے اولیاء کرام مشائخ عظام کے خرقہ خلافت میں جو کہ وہ مریدین کو نوازتے ہیں تاکہ خرقہ کی برکت مریدین کے ارواح پر اثر انداز ہو اور وہ حُبِّ دنیا اور اس کے تصرّف کے اندھے پن سے محفوظ ہوں۔

بعض حفاظ الحدیث فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن بصریؒ کو خرقہٗ خلافت سے نوازا حضرت علاّمہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ثبوت میں ایک کتاب لکھی ہے اور حضرت مولانا فخر والدین دہلویؒ نے بھی فخر الحسن نامی کتاب لکھی ہے صاحب روح البیان پارہ ۱۳ صفحہ ۱۰۹ میں لکھتے ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ ”یہ مشائخ اسرار ہم کا طریقہ ہے کہ وہ خرقہ پہنتے اور

پہناتے ہیں اس سے تبرک مطلوب ہوتا ہے اور انھیں منجانب اللہ الہام ہوتا ہے۔ اس پر کسی کو لائق نہیں کہ وہ اسے بدعت قبیحہ یا زیادۃ فی الدین سے تعبیر کرے۔ (تفسیر روح البیان)

اسی طرح تاج (عمامہ) کا پہننا بھی سنت ہے اس عمامہ کو تاج اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس عمامہ کو پیر خود اپنے سر سے نکال کر مرید کے سر پر رکھتا ہے اس کے راز سے واقف کراتا ہے اب یہ صرف نو ہاتھ کی پگڑی نہیں بلکہ پیر کے سر کا عطا کیا ہوا تاج ہے یہ تاج کلاں پر باندھا جاتا ہے جس کا ایک سرا پیچھے کے جانب ہوتا ہے جس کے معنی دنیاوی خواہشوں اور آرزوؤں کو پس پشت ڈال دیا اور سامنے سے ہٹا دیا جس کا دوسرا سرا آگے ہوتا ہے جسے طرۂ کہتے ہیں جس کے معنی میرا مطلوب میرا مقصود میرے پیش نظر ہے۔ کلاں کیونکہ سخت ہوتا ہے اس کا مطلب راہ حق میں اپنے ارادوں کو پختہ رکھنا ہے۔ رسم خرقہ خلافت ہونے کے بعد اس مرید کا شمار خلفاء کرام میں ہو جاتا ہے اس طرح سلسلۂ جاری تھا جاری ہے اور جاری وساری رہے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کا علم

فرشتوں نے حضرت آدم کو خلیفہ بنانے کی حکمت پوچھی تھی اس کا اجمالی جواب رب تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا کہ اس کو ہم جانتے ہیں، تم نہیں جانتے اس سے فرشتے خاموش تو ہو گئے مگر ان کو کلی طور پر تسکین نہ ہوئی ان کو عملی طور پر اس کا تفصیلی جواب دینا ضروری تھا تاکہ فرشتوں کو کلی طور پر تسکین ہو جائے

اس لئے حق تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات اور سارے ایمانیات کا علم حضرت آدم علیہ السلام کو پیدائش سے پہلے ہی دے دیا تھا اسی لئے انھوں نے چھینک آتے ہی الحمدللہ کہا جس میں خدا کی ذات وصفات کا ذکر ہے اور پھر جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ پیدا ہوتے ہی ساق عرش پر لکھا ہوا پڑھ لیا کہ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ جس سے معلوم ہوا کہ یہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جانتے ہیں اور ان کی نبوّت ورسالت کو بھی پہچانتے ہیں اور لکھے ہوئے حروف پڑھ لیتے ہیں۔

مگر ساری چیزوں کا علم پیدائش کے بعد عطا ہوا خیال رہے کہ آدم علیہ السلام کو نہ کسی مدرسے میں جانا پڑا تھا اور نہ کسی استاد کی شاگردی کرنی پڑی بلکہ بطور الہام خود بخود سب علوم ان کو آگئے وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے) علم تو فرشتوں کو بھی تھا مگر "كُلَّهَا" کی وسعت خلق میں کسی کو نہ عطا کی گئی اب ہم كُلَّهَا کی کس قدر گنجائش دکھاتے ہیں یہ سب جانتے ہیں کہ دنیا اول تا آخر تک لاکھوں زبانیں بولی گئیں اور ہر زبان کے حروف نقش اور ان کے الفاظ علیحدہ علیحدہ پھر ہر زبان میں کروڑوں لغت جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں کروڑوں چیزیں اور ہر چیز کے لاکھوں صفات اور ہر صفت کے لاکھوں نام اور نام کے لکھنے اور بولنے کے لاکھوں طریقے مثلاً: الف لکھنے کا انگریزی میں اور طریقہ ہے اور اردو میں اور عربی میں اور، پھر مثلاً پانی کو اردو میں پانی۔ فارسی میں آب عربی میں ماء ہندی میں جل انگریزی میں واٹر اور نہ معلوم کس کس زبان میں کیا کیا کہتے ہوں گے۔ پھر اگر لفظ پانی لکھا جائے تو ہر زبان کی عبارت میں علیحدہ طریقے

سے مثلاً انگریزی میں Water اور ہندی میں جل (जल) اردو میں پانی عربی میں ماء وغیرہ وغیرہ طریقوں سے پھر اس پانی کے ہزاروں حالات اور ہزاروں قسمیں ہیں ٹھنڈا، گرم، صاف، میلا، کھارا، میٹھا، بھاری، ہلکا، گاڑھا، پتلا، سفید کالا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب علوم حضرت آدم علیہ السلام کو دیئے گئے۔ بھلا خیال تو کرو اس علم کی کوئی حد ہے تفسیر روح البیان میں اس جگہ فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو سات لاکھ زبانوں کا علم تھا اور ایک ہزار پیشوں میں خوب ماہر تھے مگر آپ نے کھیتی باڑی کا کام کیا۔ مختصر لفظ میں یوں سمجھیں پہلا روحانیت اور ملکوتیات کا جس کی کسی قدر فرشتوں کو بھی خبر تھی دوسری جسمانیات کا جس سے فرشتے ناواقف تھے تیسرے الٰہیات کا جو کہ فرشتوں کے وہم سے بھی بالاتر تھا کیونکہ فرشتے ملکوت میں سے تھے اور یہ باتیں عالم غیب عالم جبروت کی تھی سیدنا آدم علیہ السلام کا علم وہاں تک پہنچایا کہ جہاں فرشتے بھی کہنے لگے۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا۔ ترجمہ ہمیں کوئی علم نہیں مگر جو تو نے ہمیں سکھایا۔

(سورہ بقرہ آیت ۳۲)

سجدۂ آدم علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی سجدے کا حکم دے کر ان کو اس کے لئے تیار کر دیا گیا تھا جیسے شریعت میں مال آتے ہی زکوۃ واجب ہو جاتی ہے لیکن سال گزرنے پر ادا کرائی جاتی ہے اور سجدہ آدم

علیہ السلام کے ظہور کے بعد کرایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے سجدہ آدم علیہ السلام کا یہ واقعہ قرآن مجید میں کئی جگہ فرمایا۔ سورہ بقرہ، سورہ اعراف، سورہ حجر، سورہ بنی اسرائیل، سورہ کہف، سورہ طٰہٰ، سورہ صٓ۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۔ (پارہ اول سورہ بقرہ آیت ۳۴)

ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

فرشتے اب تک رب کے لئے سجدے کرتے رہے جو ان کی ملکی اور روحانی طبیعتوں کا تقاضا تھا ان سجدوں میں براہ راست رب ہی کی تعظیم تھی ماسوا اللہ کی تعظیم کو دخل نہ تھا آج اس سجدہ کا حکم دیا جا رہا ہے۔ جس میں بواسطہ حضرت آدم رب کی تعظیم ہوگی کیونکہ آج حضرت آدم نورانی الٰہی کی تجلی گاہ ہیں جو ان کے سامنے جھکے گا وہ حقیقت میں رب ہی کو سجدہ کریگا جیسے اپنے حبیب سے فرماتا ہے کہ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔

بزرگان دین فرماتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر تھا در حقیقت یہ سجدہ اسی نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی تھا۔

زبان حال سے کہتے تھے آدم
جسے سجدہ ہوا ہے میں نہیں ہوں
جلوہ دکھایا صورت آدم میں آن کر
پایا سر نیاز ملائیک جھکا ہوا

لہٰذا سچا سلوک وہ ہے جو پیغمبر کے ذریعے سے حاصل ہو نیز فرشتوں کو اللہ

کی عبادت سے نہ ان کو ثواب ملتا ہے نہ ان کو ترقیِ درجات حاصل ہوتی ہیں ۔آج فرمایا گیا کہ اے فرشتوں آج تم وہ سجدہ کرو جو فائدہ مند ہو تم کو پورا فائدہ اس سے نہ ہوگا ہاں آدم علیہ السلام کو۔ضرور فائدہ پہنچے گا کیونکہ ان کی اولاد تمہارے سجدہ کو دیکھ کر اور سن کر بزرگوں کے ادب کرنے کا طریقہ سیکھیں گی جس سے وہ میری بارگاہ تک پہنچنے کے قابل ہوگی اور آج کا یہ سجدہ تمہارے صدہا سال کے سجدوں کا خلاصہ ہے کیونکہ یہ حق و باطل کو علیحدہ کرنے والا ہے۔ بحکم رب سن کر سب کے سب فرشتے آدم علیہ السلام کے سجدہ میں گر پڑے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام سجدے میں جھکے پھر میکائیل علیہ السلام پھر عزرائیل علیہ السلام پھر سارے فرشتے اسی لئے حضرت جبریل علیہ السلام کو سب سے بڑا درجہ عطا فرمایا گیا۔ یعنی خدمت انبیاء خیال رہے یہ سجدہ 'جمعہ' کے دن ہوا اور آدم کا قالب بھی 'جمعہ' کے دن تیار ہوا اس میں روح بھی 'جمعہ' کے دن داخل کی گئی اس طرح آدم علیہ السلام کی پیدائش 'جمعہ' کے دن ہوئی اور حوا کی پیدائش اور نکاح بھی 'جمعہ' کے دن ہوا اور آدم کا جنت سے باہر تشریف لانا بھی 'جمعہ' کے دن ہوا اور توبہ کی قبولیت بھی اور بڑے بڑے اہم کام 'جمعہ' ہی کے دن ہوئے۔ قیامت بھی 'جمعہ' ہی کے دن قائم ہوگی۔

بعض علمائے فرماتے ہیں کہ یہ سجدہ ظہر سے عصر تک رہا صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ یہ سجدہ عصر سے مغرب تک رہا تفسیر خزائن العرفان اور روح البیان و نعیمی میں ہے کہ سو سال تک یا پانچ سو سال تک فرشتے سجدے میں

گرے رہے۔ ان باتوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ اولاً فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا جس کا شیطان نے انکار کیا یہ سجدہ تھوڑی دیر تک رہا پھر انہوں نے سر اٹھا۔ کر دیکھا کہ شیطان آدم علیہ السلام کی طرف پیٹھ پھیرے کھڑا ہے تب انھوں نے دوسرا سجدہ اسی سجدے کی توفیق کے شکریہ میں ادا کیا یہ سجدہ رب کے لئے تھا اور سجدۂ شکر تھا پھر جب سر اٹھایا تو انھوں نے دیکھا کہ شیطان پہلے بہت خوبصورت تھا لیکن اب اس کی صورت و شکل مسخ ہو کر جسم خنزیر کا سا اور چہرہ بندر کا سا ہو گیا تب انھوں نے خشیت الٰہی سے ایک اور سجدہ کیا یہ تینوں سجدے آدم علیہ السلام ہی کی طرف تھے مگر تین قسم کے اور ان کی مدتیں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ جب حق تعالیٰ نے سجدے سے انکار کی وجہ پوچھی۔

قَالَ مَامَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ۔ (پارہ ۸ سورۂ اعراف آیت ۱۲)

ترجمہ: فرمایا کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے تجھے حکم دیا تھا بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا جب رب نے پوچھا مردود جب ہم نے تجھ کو بھی سجدہ کا حکم دیا تو تجھے کس چیز نے سجدہ سے روکا تو نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ وہ بولا کہ مولیٰ سجدہ تعظیمی کے لیے قانون یہ ہے کہ مسجود افضل ہو ساجد ادنیٰ مگر یہاں معاملہ برعکس ہے کہ میں ذاتاً صفاتاً عملاً اس آدم سے افضل ہوں کیونکہ تو نے مجھے تو آگ سے پیدا فرمایا اور انہیں خاک سے اور ظاہر یہ ہے کہ آگ خاک سے افضل ہے کہ آگ نورانی ہے خاک ظلمانی لہذا میں افضل ہوں پھر میں انہیں سجدہ کیسے

کر سکتا ہوں خیال رہے کہ شیطان کو اس کی عقل نے اندھا کر دیا اس نے یہ دیکھا کہ آدم بدبودار گارے والے مٹی سے بنے ہیں جس کی وجہ سے آدم کے ظاہر سے دھوکا کھا گیا اسے کیا خبر تھی کہ اس مٹی کے چراغ میں روحانیت کا روغن ہوگا اور وہ چراغ قلب کے فانوس میں رکھا جائے گا اور وہ فانوس اس جسم کے طاق میں محفوظ ہوگا جس میں اسرار الٰہی کی بتی ہوگی اور نور محمدی کی تار سے روشن ہوگا پھر اس کو عقل کا نور دے کر نور علیٰ نور بنایا جائے گا جس سے حق تعالیٰ کی ذات وصفات ظاہر ہوگی وہ آدم کی تہہ تک نہ پہنچ سکا اور مٹی سے دھوکا کھا گیا۔

اس نے یہ نہ دیکھا اگر یہ قاعدہ درست ہے تو فرشتے اس سے افضل ہیں کہ وہ نور سے پیدا ہوئے جب وہ بغیر چوں و چرا سجدے میں گر گئے تو مجھے بھی گر جانا چاہیے نور نار سے بھی افضل ہے نیز اس نے یہ غلط کہا کہ آگ خاک سے افضل ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خاک آگ سے افضل ہے ایک یہ کہ مٹی میں عجز وانکساری ہے آگ میں بڑائی و تکبر ہے اس لیے کھیت باغ مٹی میں لگتے ہیں آگ میں نہیں دوسرا یہ کہ مٹی میں قرار ہے آگ میں تڑپ اور بے قراری ہے اس لیے اللہ کے بندے مٹی میں دفن ہوتے ہیں آگ میں نہیں تیسرا یہ کہ مٹی آباد کرتی ہے آگ برباد کرتی ہے جس گھر یا باغ یا کھیت میں آگ لگ جائے اسے جلا کر خاک کر دیتی ہے

چوتھا یہ کہ مٹی میں امانت داری ہے آگ میں خیانت اس لیے دانہ مٹی میں دباؤ تو وہ اسے محفوظ رکھتی ہے بلکہ بڑھاتی ہے۔ آگ میں ڈال دو تو وہ اسے فنا کر دیتی ہے۔ پانچواں یہ کہ مٹی آگ پر غالب ہے آگ مٹی سے مغلوب ہے

اس لیے آگ کو خاک بجھا دیتی ہے فنا کر دیتی ہے مگر آگ مٹی کو فنا نہیں کر سکتی نہ اسے گلا سکتی ہے چھٹا یہ کہ خاک میں بقا ہے آگ میں فنا اس لیے خاک پر شہر بستیاں آباد ہیں مگر آگ میں یہ کوئی چیز نہیں ۔آگ کتنے ہی اوپر اٹھے آخر خاک میں ہی آ کر ختم ہوتی ہے۔

پھر یہ بھی خیال رہے شیطان نے تیسری غلطی یہ کی کہ جو چیز افضل سے بنے وہ افضل ہے اور جو ادنیٰ سے بنے وہ ادنیٰ ہے۔

حکایت :ایک دن شیطان نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ تو اللہ کی بارگاہ میں بڑے مقبول ہیں میری شفاعت فرما دیجئے کہ حق تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔موسیٰ علیہ اسلام نے دعا کی حکم الٰہی ہوا کہ آپ کی شفاعت قبول اور شیطان کی توبہ قبول ہے مگر شرط وہی پہلی ہے کہ آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کرے موسیٰ علیہ السلام نے شیطان کو خبر دی اس نے جواب دیا کہ جب میں نے زندہ آدم کو سجدہ نہ کیا تو مردے کو کیا سجدہ کروں مگر اے موسیٰ تمہاری شفاعت کا مجھ پر احسان ہے اس لئے میں آپ کو ایک فائدے کی بات بتاتا ہوں کہ میں تین وقتوں میں آدمی کو بہت خراب کرتا ہوں ایک غصے کی حالت میں کہ اس وقت میں بجائے خون کے اس کے جسم میں دوڑتا ہوں اور جو چاہتا ہوں کر لیتا ہوں دوسرا جہاد کی حالت میں غازی کو گھر بار یاد دلا کر جہاد سے روکتا ہوں تیسرا غیر عورت کے ساتھ خلوت کی حالت میں زنا کرا دیتا ہوں۔

☆ سوال و جواب ☆

سوال : سب کو شیطان گمراہ کرتا ہے مگر شیطان کو کس نے گمراہ کیا اسی

طرح شیطان کے گمراہ ہونے سے پیشتر (قبل) جو جنات نے فتنہ فساد کیا وہ کس کے بہکانے سے کیا؟

جواب : ان سب کو ان کے نفس نے گمراہ کیا اصل گمراہ کرنے والی چیز نفس ہی ہے شیطان تو اس کی رہبری کرتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ دیکھو ماہ رمضان میں شیطان قید ہو جاتا ہے۔ مگر پھر بھی لوگ گناہ کرتے ہیں۔ اپنے نفس امارہ کی وجہ سے۔

سوال : حق تعالیٰ نے شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا جو تمام گناہوں کی اصل ہے؟

جواب : اگر شیطان نہ ہوتا تو دنیا و دین میں کچھ بھی نہ ہوتا کیونکہ پھر نہ بادشاہ کی ضرورت ہوتی اور نہ پولس اور نہ کچہری وغیرہ کی نہ محکمے کی اسی طرح نہ پیغمبروں کی نہ ولیوں اور نہ پیروں کی پھر دوزخ اور عذاب کے فرشتے بیکار رہتے نیز خدا کی صفتیں غفاری۔ ستاری قہاری۔ جباری وغیرہ کا ظہور نہ ہوتا کیونکہ یہ صفات بندوں کے گناہوں سے ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یوں کہو کہ پھر تو نہ آدم علیہ السلام نہ دانہ کھاتے نہ زمین پر آتے نہ دنیا آباد ہوتی۔

سوال : جب شیطان مردود ہونے والا تھا تو پہلے اس کو اتنی عزت کیوں دی گئی؟

جواب : تا کہ قیامت تک لوگوں کو اس سے عبرت حاصل ہو جائے کہ کوئی شخص اپنے علم و تقویٰ اور پرہیز گاری کے نشہ میں چور ہو کر کسی پیغمبر یا ولی کی توہین نہ کرے سمجھ لے کہ وہ نازک بارگاہ ہے کہ اس کی بے ادبی کرنے پر سارے علم و عمل برباد ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مولوی بنا کر مارا

صوفی بنا کے مارا عابد بنا کے مردود کیا تا کہ سب مولویوں اور صوفیوں اور پیروں کو عبرت حاصل ہو جائے۔

سوال : بوقت سجدۂ آدمؑ کیا ہم ان کی پشت مبارک میں موجود تھے؟

جواب : حضرت مجاہد کا قول ہے کہ چیونٹیوں کی صورت میں آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے تمام نقشے امانت نکالے گئے پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کریں۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے سجدہ کا حکم فرشتوں کو دیا نہ کہ جنّ کو پھر ابلیس کیونکر سجدہ کرتا جبکہ وہ قوم جنات میں سے تھا اور ابلیس اپنے جن ہونے کا اقرار بھی کر رہا تھا خلقتنی من نار (تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا)؟

جواب : پہلی بات اللہ تعالیٰ نے وہاں تمام حاضرین کو سجدہ کا حکم دیا تھا دوسری بات اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر بھی ابلیس کو سجدہ کا حکم دیا سورۂ اعراف آیت ۔۱۲ قَالَ مَامَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ (رب نے فرمایا تجھے کس چیز نے سجدہ سے روکا جب میں نے تجھے حکم دیا۔ یہاں اذا مرتك پر غور کریں۔

سوال : ابھی ماں حوا کی پیدائش بھی نہ ہوئی تھی نہ اولادوں کا سلسلہ جاری تھا پھر شیطان نے کس طرح جان لیا اور کہہ دیا کہ میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا مگر تیرے مخلص بندوں پر میرا زور نہیں چلے گا۔

(پارہ ۲۳ سورہ ص آیت ۸۳)

جواب : کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو علم غیب عطا کیا تھا۔

سوال : کسی ایک عناصر کو سجدہ کرنے والا کافر ومشرک بن جاتا ہے یہاں تو حضرت آدم میں چار عناصر ۔مٹی ۔پانی ۔آگ ۔ہوا ۔موجود تھا پھر

اللہ نے اپنے علاوہ آدم کو سجدہ کا حکم کیوں دیا کیا حضرت آدم خدا تھے؟

حضرت حوّا کی پیدائش

اے عزیز اوپر چڑھنا مشکل ہے مگر اوپر سے گرنا بہت آسان جسمانیات میں دیکھ لو کہ چھت پر سیڑھی کے ذریعہ بہت دیر میں چڑھتے ہیں مگر پاؤں پھسلتے ہی آناً فاناً گر جاتے ہیں یوں غور کرو کہ شیطان نے اپنا وہ پہلا مقام ہزار ہا سال کی عبادت کے بعد حاصل کیا تھا مگر ایک سجدہ کے انکار سے وہ تمام بیکار ہو گئے اور بدترین ذلیل بن کر جنت سے نکالا گیا۔

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جیسے ضعیف معدہ طاقتور غذا ہضم نہیں کر سکتا یوں ہی اوچھا آدمی عظمت وعزّت برداشت نہیں کر سکتا۔ ابلیس کو تھوڑی سی عزت دے دی گئی تو پکار اٹھا

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ یہ تھی اس کی بدہضمی حضور ﷺ کی قوت برداشت کا یہ عالم ہے کہ ان کی چوکھٹ پر دنیا پیشانی رگڑ رہی ہے مگر آپ اپنے کو عبدہٗ فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ رتبہ دے تو قوت برداشت بھی دے۔ الغرض قصہ مختصر شیطان راندے درگاہ ہوا آدم علیہ السلام مسجود ملائک ہوئے اس واقعہ کے بعد آدم علیہ السلام تنہا زمین میں پھرتے تھے اور ہر جانور کو اپنا غیر جنس دیکھ کر گھبراتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش کوئی میرا ہم جنس ہوتا جس سے مجھے انس حاصل ہوتا دوسرے جمعہ کو آدم علیہ السلام سو رہے تھے کہ بحکم فرشتوں نے ان کی بائیں پسلی چاک کی جس سے انھیں کچھ تکلیف نہ ہوئی۔ یہاں پسلی

سے مراد پانچ عناصر پچس گن کا جوہر ہے جسے پسلی سے تعبیر کیا گیا۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ عورت پسلی کے مانند ہے۔ اگر اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو وہ کمان کی طرح ٹیڑھی ہو جائے گی اگر اسے ایک دم سیدھا کرنے کی کوشش کی جائے تو ٹوٹ جائے گی۔

بعض تصوف کی کتاب میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں سو رہے تھے تب ان کی بائیں پسلی نکالی گئی یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ آدم علیہ السلام کیسے سو رہے تھے۔

جنت میں کس کو نیند نہیں کیونکہ نیند ایک قسم کی موت ہے اور جنت موت سے پاک اس لیے آدم علیہ السلام دنیا ہی میں سو رہے تھے تب اس جوہر سے حضرت حوّا کی پیدائش اسی دنیا کے گلشن میں ہوئی جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش مکہ معظّمہ میں ہوئی فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بنانے میں کئی سال لگ گئے اور حضرت حوّا کو کن فیکون کے ذریعے ایک آن میں بنایا گیا اس لیے حضرت حوّا کی پیدائش کا ذکر تفصیل سے نہیں ملتا ہے آدم علیہ السلام کو کو چالیس ہزار سال میں پیدا کرنے کی حکمت یہ تھی کہ آدم علیہ السلام اپنی پیدائش پر غور کریں اور اپنی اولاد کو بھی سبق دے کہ جلد بازی سے پرہیز کرے اطمینان اور تحمل سے کام کرے یہی سنت الٰہیہ ہے جب آدم علیہ السلام جاگے اپنے پاس ایک نہایت خوبصورت عورت جو انھیں کا ہم جنس تھی پایا۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا تم کون ہو؟ ندا آئی یہ ہماری بندی ہے تمہاری وحشت دور کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے آدم علیہ السلام نے چاہا کہ ان کو ہاتھ لگائیں۔ حکم ہوا کہ اے آدم پہلے ان کا مہر ادا کرو پھر ہاتھ

لگانا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولیٰ مہر کیا ہے؟ فرمایا کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دس بار درود شریف پڑھو پھر فرشتوں کی گواہی میں رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا نکاح پڑھایا۔ تفاسیر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام نے روایت فرمائی کہ فرشتوں نے آدم اور حوا علیہ سلام کو نوری لباس پہنایا اور ان کے سر پر تاج رکھے سونے کے تخت پر بٹھایا حضرت حوا کو مختلف قسم کے زیوروں سے آراستہ کیا اور پھر ان دونوں کو جنت میں پہنچا دیا گیا۔

(تفسیر کبیر، روح البیان، نعیمی جلد اول صفحہ ۲۸۱)

وَقُلْنَا يَا دَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ.

(پارہ اول سورہ بقرہ آیت ۳۵)

ترجمہ: اور ہم نے فرمایا اے آدم تو اور تیری بیوی اس جنت میں رہو۔

تفسیر میں آتا ہے کہ حضرت حوا کو جنت میں رکھنے کی تین حکمتیں تھی ایک یہ کہ ان کے ذریعہ آدم علیہ السلام کو اطمینان رہے۔ دوسرے یہ کہ وہ جنتی مکانوں کی زیب وزینت اور صفائی دیکھ کر دنیاوی گھروں کو سجانا سیکھ لے۔ تیسرے یہ کہ جنتی زیور اور پوشاخیں استعمال کر کے دنیا میں بھی عمل کریں گویا بیرونی زندگی تو آدم علیہ السلام سیکھیں اور خانگی زندگی حضرت حوا اسی لیے اس وقت آپ کی زوجہ صرف حوا تھیں وہاں کی حوریں نہ تھی کیونکہ دنیا میں آکر گھر بار انھیں سنبھالنا تھا نہ کہ حوروں کو۔ ایک دفعہ میری ملاقات ایک صوفی صاحب سے ہوئی دروان گفتگو حضرت ماں حوا کی پیدائش کا تذکرہ نکلا صوفی صاحب نے اپنے پیر و مرشد کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حوا

کو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے پہلے پردۂ غیب میں پیدا کر چکا تھا مگر ظہور حضرت آدم کی پیدائش کے بعد ہوا۔

☆ سوال و جواب ☆

سوال : حضرت حوا آدم علیہ السلام کی بیٹی تھی کیونکہ ان کے جسم پاک سے پیدا ہوئی تو ان کے ساتھ زوجیت کا برتاؤ کیسے جائز ہوا؟

جواب : اولاد وہ کہلاتی ہے جو کہ اپنے نطفے سے پیدا ہو۔ یہاں ایسا نہ ہوا۔ لہٰذا وہ ان کی بیٹی نہ ہوئی۔ ہمارے جسم سے بہت سی جاندار چیزیں بن جاتی ہیں سر میں پیٹ میں بہت سے جانور پیدا ہو جاتے ہیں وہ ہماری اولاد نہیں کہلاتے کیونکہ ہمارے نطفے سے نہیں ہیں اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت حوا آدم علیہ السلام کی بیٹی ہی تھی تو بھی جس طرح ان کی شریعت میں بہن سے نکاح جائز تھا اس طرح مجبوراً اس بیٹی سے نکاح کرنا جائز قرار دیا گیا کیونکہ دوسری عورت کا ملنا ناممکن تھا اگر آدم علیہ السلام کی طرح حضرت حوا کو بھی بنا دیا جاتا تو یقیناً عورت مرد میں اتنی محبت نہ ہوتی جواب ہے کیونکہ اب تو اس سے محبت ہے کہ عورت مرد کا جزو بنے اور نہ عورت کا مرد کے تابع ہونا۔ معلوم ہوتا نہ عورت مرد کے ہم جنس ہوتی جسے دوسری جاندار چیزیں انسان کی غیر جنس تھی اگر آدم علیہ السلام کا نکاح کسی غیر جنسی سے کر دیا جاتا مثلاً جنات سے تو ان کی اولاد نہ انسان ہوتی نہ جنّ کوئی تیسری چیز ہوتی جیسے گھوڑی، گدھے سے خچر ہو۔ بکرے ہرن سے ایسا بچہ ہوتا ہے جو نہ بکری ہی ہو نہ ہرن

سوال : اللہ تعالیٰ نے ماں حوا کا نام حوا کیوں رکھا؟

جواب : ان کا نام حوا اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ یہ لفظ حیؔ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں زندہ چونکہ یہ زندہ انسان (آدم علیہ السلام) سے پیدا ہوئیں یا ہر زندہ انسان کی والدہ ہیں یا لفظ حوتؔ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں سرخی بیسا ہی چونکہ ان کے ہونٹ کا رنگ ایسا ہی تھا عربی میں عورت کو امرءۃ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ امرء۔ (یعنی مرد) سے بنی ہیں۔

آدم علیہ السلام کا روئے زمین پر تشریف لانا

شیطان کے دل میں آدم علیہ السلام کے طرف سے سخت حسد پیدا ہو چکا تھا اس لیے وہ ان کی فکر میں رہتا تھا ایک دفعہ موقعہ پا کر جنت کے دروازے تک پہنچ گیا ادھر آدم علیہ السلام مور کا رقص دیکھنے میں ایسے مشغول تھے کہ مور ناچتے ناچتے جنت کے دروازے تک پہنچ گیا۔ لہٰذا شیطان جنت سے باہر رہا آدم علیہ اسلام اندر اور پھر ان کی گفتگو شروع ہوئی شیطان بولا کہ آپ اپنی اس تعظیم و تکریم پر فریفتہ نہ ہو جائیں کیونکہ آپ کو آخر کار موت آنے والی ہے ۔جس سے تمام عیش و آرام ختم ہو جائیں گے حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ موت کیا چیز ہے شیطان مردہ جانور کی طرح ان کے سامنے پڑ گیا اور جاں کنی کے وقت جو حالت ہوتی ہے ہاتھ پاؤں پٹکنا۔ روح کا نکلنا تڑپنا وغیرہ ان کو دکھلا دیا یہ دونوں حضرات اس حالت کو دیکھ کر ڈر گئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ کیا اس موت سے بچنے کی کوئی تدبیر ہے اس نے کہا ہاں اگر تم دونوں وہ

شجرۂ ممنع کھالو گے تو تمہیں ہمیشگی کی زندگی مل جائے ان دونوں حضرات نے شیطان کی بات سے فریب کھا گئے اور انھوں نے وہ سجرۂ ممنع چکھ لیا کھاتے وقت وہ فرمان الٰہی

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔

(پارہ اول سورۂ بقرہ آیت ۳۵)

کو بھول گئے جس سے ان حضرات کے جنتی لباس اتر گئے وہ دونوں برہنہ ہو گئے اور جنتی پتیوں سے ستر چھپانے لگے۔

صوفیا کرام فرماتے ہیں یہ درخت محبت ومعرفت کا ہے جس کے لئے محنت لازم ہے اور یہ منع کرنا ہی ان کے کھانے کا سبب بنا کیونکہ انسان ممنوع چیز کی طرف زیادہ رغبت کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا آدم علیہ سلام نے کھا لیا جس کے کھاتے ہی خلافت اور محبت کے اسرار کھل گئے اور جمال وجلال کا اظہار شروع ہو گیا خدا کی صفات تو آبی۔ ستاری۔ غفاری ۔قہاری وغیرہ جواب تک درمکنون کی طرح راز میں تھی ظاہر ہونے لگیں۔ پھر رب کی طرف سے آدم علیہ السلام کو ندا آئی کہا آدم وحوا کیا ہم نے تم کو اس شجرۂ ممنوع سے منع نہ کیا تھا اور کیا تم سے نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔اس کے فریب میں نہ آنا یہ حضرات عذر کے سوا اور کیا عرض کر سکتے تھے

چنانچہ آدم علیہ السلام کو شری لنکا میں واقع پہاڑ ''سرن دیپ'' پر اتارا گیا سرن معنی قدم۔دیپ معنی جزیرہ کے ہوتے ہیں جس کو عربی میں سیلون کہتے ہیں۔سلون (لنکا) کے اس پہاڑ کی 7360 فیٹ بلند چوٹی پر حضرت آدم کے قدم مبارک کا ایک نشان آج بھی موجود ہے اس پہاڑ کی چوٹی کا نام

آدم کی چوٹی ہے جس کو انگریزی میں "ایڈم پیک" کہتے ہیں اسی نشان قدم کی وجہ سے اس جزیرے کا نام سرن دیپ پڑ گیا۔

یہ واقعۂ انجیل (بائبل) اور ہندوں کی گرنتھوں جو صحیفوں کی بگڑی شکل ہے جسے ہندوں حضرات اپنیشد و گرنتھ کہتے ہیں کہ گرنتھوں میں ہے پہلے منو مہاراج (آدمؑ) سروگ لوک (جنت) میں تھے جہاں امر تھے (موت نہیں) مگر اگیان کا پھل کھا لئے جس کی وجہ سے انھیں مرت لوک میں آنا پڑا اور حضرت حوا کو ساحل عرب جدہ میں اتارا۔ جدہ بمعنی دادی یہ جگہ آج تک عرب میں مشہور ہے۔

جب آدم علیہ السلام روئے زمین پر تشریف لائے تو ایک دم بہت سی مصیبتوں میں گرفتار ہو گئے۔ جنت سے چھوٹنے کا غم اپنی بیوی حوا کی جدائی اپنی وحشت ،اور تنہائی پھر رب تعالیٰ کا عتاب اس عتاب کی وجہ سے سخت پریشانی تھی اس پریشانی میں تین سو سال تک اس قدر روئے کہ ان کی مثال دنیا میں نہیں ملتی نہ آسمان کی طرف دیکھا یہاں تک کہ حضرت جبرئیل علیہ سلام کو بھی ان کی گریہ وزاری پر رونا آ گیا جب آدم علیہ سلام نے بارگاہ حق میں عرض کی اے اللہ کریم میں تجھ سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل بخشش کا سوال کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے پوچھا "تو نے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو کیسے پہچانا؟ آدم علیہ السلام نے عرض کی اس لیے کہ جب مجھے تو نے اپنے ہاتھ سے بنا کر میرے اندر روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا تو قوائم عرش پر لکھا دیکھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس سے میں سمجھا کہ تو نے اپنے ساتھ محبوب ترین اسم کو ملایا ہے تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم آپ

نے سچ کہا بے شک وہ آخرالانبی ہیں اور آپ کی اولاد سے ہیں وہ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ فرماتا اللہ تعالیٰ نے اس کلمے کے وسیلے سے آدم علیہ سلام کی توبہ قبول فرمائی آدم علیہ السلام اس کلمے کو پڑھتے ہی چہرہ کی سیاہی نورانیت میں بدل گئی حزن دور ہوا اور اس کلمے کی تاثیرات و تجلیات آپ علیہ سلام سے ظاہر ہونے لگے۔

''اے اولاد آدم تو بھی اس کلمے کی بدولت آج اس زمین پر موجود ہے نہ توبہ قبول ہوتی نہ تیرے ہونے کا سبب بنتا غرض کہ دنیا کا ظہور اسی کلمے کے طفیل ہے اس کلمے کی حقیقت کو کسی صاحب حقیقت سے پا''

غرض کے روئے زمین پر آ کے آدم علیہ السلام نے یہی پہلی عبادت کی ایک جگہ حدیث شریف میں آیا کہ جب حضرت آدم علیہ سلام دنیا میں تشریف لائے تو ان کے جسم پر جنتی پتے لپٹے ہوئے تھے جو ان کی ستر پوشی کر رہے تھے اور دنیا کی ہوا کی وجہ سے وہ پتے خشک ہو گئے اور چاروں طرف پھیل گئے اور ان خشک شدہ پتیوں کے اثرات دنیا کے درختوں اور پھلوں اور پھولوں میں اثر انداز ہوئے اور یہی اثر جڑی بوٹی وغیرہ میں بھی موجود ہیں اور ان کا اثر قیامت تک باقی رہے گا اور انھیں کے اثر سے صندل کے درخت میں خوشبو موجود ہے اور مختلف قسم کی خوشبوئیں مثلاً مشک، عنبر عود میں بھی موجود ہیں۔

کیونکہ ہرن کے اقسام میں ایک نے ان جنتی پتوں کو کھایا تھا اسی لیے ہرن کے نافۂ سے خوشبو مشک نکلتا ہے اور عنبر ایک سمندری جانور سے نکلتا ہے پہلے یہ سمندری جانور زمین پر تھا بعد میں حضرت جبریل علیہ سلام نے اس جانور کو سمندر میں ڈال دیا اور اس کی نسل قیامت تک پانی میں رہے گی اور عنبر ڈالتی

رہے گی۔ آدم علیہ السلام جنت سے مختلف قسم کے بیج اور تین قسم کے پھل اور حجر اسود جو اب کعبہ میں لگا ہوا ہے اور وہ عصاء جو بعد میں موسیٰ علیہ اسلام کے ہاتھ آیا جس کی لمبائی دس گز تھی اپنے ساتھ لے کر آئے تھے آدم علیہ السلام اس قدر گریہ وزاری میں مشغول ہوئے کہ ان سے بے خبر ہو گئے شیطان موقع پا کر ان کو اپنا ہاتھ لگایا جس جس پر اس کا ہاتھ لگا وہ زہریلا ہو گیا اور جو اس سے محفوظ رہا اس کا نفع برقرار رہا آدم علیہ السلام کے ساتھ تین قسم کے جنتی، میوے آئے ایک وہ جو پورے کھائے جاتے ہیں۔ دوسرا وہ جن کا اوپری حصہ کھا لیا جاتا ہے اور گٹھلی پھینک دی جاتی ہے اور تیسرا وہ جن کا اوپری چھلکا پھینک دیا جاتا ہے۔

بعد توبہ آدم علیہ السلام کو حوا کی جدائی تنہائی ستانے لگی۔ انسانی فطرت ہے کہ ایک خواہش پوری ہوتے ہی انسان دوسری خواہش کر بیٹھتا ہے حضرت حوا سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی کیونکہ حضرت حوا آپ ہی کے جسم سے پیدا ہوئی تھی اور آپ کی امانت تھی آپ کا کشش کا ہونا اور یاد آنا فطری بات تھی جب اللہ تعالیٰ نے آدم کی یہ حالت دیکھی تو جبریل معہ فرشتگان وسواری آدم علیہ السلام کے پاس بھیجی اور فرمایا کہ اے آدم جبریل کے ساتھ جاؤ وہاں تمہیں تسکین ملے گی وہاں حضرت حوا بھی حضرت آدم علیہ سلام سے ملنے کے لئے بے قرار تھی اللہ تعالیٰ نے حوا کو القا فرمایا دونوں عرفات کے میدان میں ملے پہلے تو دونوں ایک دوسروں کو دیکھتے رہے کیونکہ دونوں کی جسمانی حالت بدل گئی تھی پہچان میں نہیں آرہے تھے پھر حضرت جبریل علیہ سلام نے تعرف کرایا۔ دونوں گلے مل کر بہت روئے اسی وجہ سے وہ دن آج تک منایا جارہا

ہے جسے یوم عرفہ اور پہچاننے کی جگہ کو عرفات کہتے ہیں پھر جبریل علیہ سلام نے تمام عالم کے جانوروں کو آواز دی کہ اے جانورو حق تعالیٰ نے تم پر اپنا خلیفہ بھیجا ہے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔ دریائی جانوروں نے اپنا سر اٹھا کر اطاعت ظاہر کی۔ اور خشکی کے جانور آپ کے پاس جمع ہو گئے آدم علیہ السلام ان پر ہاتھ پھیرنے لگے جن پر ان کا ہاتھ پہنچ گیا وہ اہل اور خانگی رہا جیسے گھوڑا، اونٹ، بکری، کتا، بلی، وغیرہ اور جس پر آپ کا ہاتھ نہ پہنچا وہ جنگلی وحشی رہا جسے ہرن وغیرہ ان جانوروں کو کھاتا دیکھ کر آدم علیہ السلام کو بھوک کا کا احساس ہوا۔

حضرت جبریل علیہ سلام ہاتھوں میں روٹی لے کر آپ کے سامنے آئے حضرت آدم علیہ سلام روٹی پکڑنے کے لئے جیسے ہاتھ بڑھایا جبریل علیہ سلام پیچھے ہٹنے لگے۔ حضرت جبریل علیہ سلام نے کہا اے آدم علیہ سلام رب تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم یہ نعمتیں جنت میں مفت میں ملتے تھے مگر یہ روئے زمین ہے محنت کی جگہ ہے اب اس نعمت کو پانے کے لئے محنت کرنی ہوگی۔ پھر جبریل علیہ سلام نے حضرت آدم علیہ سلام کوئی دانے اور کھیتی کے لیے ہندستان کی زمین تجویز کی آپ کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہے۔

حضرت حوا کے ۲۱ حمل سے ۴۱ بچے پیدا ہوئے پہلے حمل سے جڑواں بیٹا بیٹی قابیل اور ہندہ پیدا ہوئی دوسرے حمل سے جڑواں ہابیل و برنیلہ پیدا ہوئی اس وقت کی شریعت کے اعتبار سے پہلے حمل کے بچوں کا نکاح دوسرے حمل کے بچوں سے کرایا جاتا تھا جب یہ بچے جوان ہوئے رسم کے مطابق ہابیل کا نکاح ہنیدہ سے ہونا طے پایا مگر قابیل نے ہابیل کا قتل کر کے ہنیدہ کو لے کر

فرار ہو گیا اور آتش پرست بن گیا۔ تیسرے حمل سے حضرت شیث علیہ سلام تنہا پیدا ہوئے کچھ سالوں کے بعد آپ اپنے اہل و اعیال کے ساتھ عرب میں قیام پذیر ہوئے۔ حضرت آدم علیہ اسلام تمام اولادوں میں حضرت شیث علیہ سلام کو عزیز رکھتے تھے۔

منجانب رب آپ نے تمام علوم ظاہری و باطنی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہام فرمایا تھا سب سکھایا اور اپنا خرقۂ مبارک اپنا عصاء مبارک اور کئی امانتیں دے کر اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت شیث علیہ السلام آدم علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ کے دوسرے نبی و خلیفہ ہوئے آدم علیہ اسلام نے حضرت شیث علیہ السلام کو اپنا جانشین و سجادہ نشین مقرر فرمایا جب حضرت آدم علیہ سلام کا وقت آخر آیا آپ نے اپنے فرزند شیث علیہ سلام سے کہا جاؤ بارگاہ الٰہی میں میری طرف سے التجا کرو کہ میری تمنا جنتی میوے کھانے کی ہے حضرت شیث علیہ سلام کی التجا پر اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ سلام و دیگر فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ حضرت حوا ان فرشتوں کو دیکھ کر ڈرنے لگی اور چاہا کہ آدم علیہ السلام کے دامن میں چھپ جائیں آپؑ نے فرمایا کہ حوا اب تم مجھ سے الگ رہو میرے رب کے قاصدوں کے درمیان آڑ نہ بنو فرشتوں نے آدمؑ کو جنتی میوے کھلائے پھر روح قبض کی اور ان کے بیٹوں سے کہا کہ جس طرح ہم آپ کے والد کا کفن و دفن کرے ویسے ہی تم بھی کرنا۔ جبرئیلؑ جنت کی مرکب خوشبو اور جنت سے کفن اور بہشتی بیری کے کچھ پتے ساتھ لائے تھے ان کو خود غسل دیا اور کفن پہنایا اور خوشبو ملی اور آدم علیہ السلام کا لاشہ کعبہ میں لائے اور ان پر سارے فرشتوں نے نماز جنازہ ادا کر کے دفن فرمایا۔

حضرت آدم روئے زمین پر ۹۳۷ سال ظاہری حیات پائی آپ کے وصال کے بعد حضرت حوا ۶۰ سال زندہ رہی حضرت حوا کو جدہ میں دفن کیا گیا۔

☆سوال و جواب ☆

سوال : زمین سے آسمان و جنت افضل ہے کہ زمین پر متکبرین و کفار بھی رہ سکتے ہیں وہاں صرف نوری جماعت ہی رہتی ہے وہاں ہر وقت عبادت ہی ہوتی ہیں کفر و گناہ کبھی نہیں ہوتے ہیں؟

جواب : نہیں بلکہ فی الحال زمین آسمان و جنت سے افضل ہے کہ یہاں حضرات انبیاء کرام و اولیاء اللہ تشریف فرما ہیں۔ مملکت الہیہ کا دارالخلافہ زمین ہے انی جاعل فی الارض خلیفہ حج زیارت جہاد زمین پر ہوتے ہیں جنت میں صرف سجدے سجود ہیں اگرچہ یہاں کفار بھی ہیں مگر ان محبوبوں مقبولوں کے قدم نے زمین کو افضل کر دیا جیسے کعبہ معظّمہ کی وجہ سے مکہ معظّمہ عظمت والا شہر ہے اگرچہ وہاں ابوجہل ابولہب کفار تھے بت پرستی وغیرہ سب کچھ تھی ہاں جب یہ حضرات جنّت میں پہنچ جاویں گے اور زمین ان سے خالی ہو جائے گی تب جنت اس زمین سے افضل ہوگی۔

جیسے کہ جب تک حضور ﷺ مکہ معظّمہ میں رہے تو وہ تمام شہروں سے افضل تھا مگر جب سرکار نے مدینہ منورہ میں اپنا ڈیرا لگا لیا تو مدینہ تمام شہروں سے افضل ہو گیا حتیٰ کہ امام مالک اور دوسرے عشاق کے نزدیک مکہ معظّمہ سے

بھی افضل ہو گیا۔ اعلیحضرت فرماتے ہیں۔

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

سوال : جب آدم کی توبہ قبول کرنی ہی تھی تو ان کو اتنے دن تک پریشان کیوں رکھا؟

جواب : جو چیز مشکل سے حاصل ہوتی ہے اس کی قدر بھی ہوتی ہے دوسروں کو اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے نیز حضرات انبیاء اکرام و اولیاء عظام کی یہ پریشانیاں ان کے درجے بڑھانے کا ذریعہ بنتی ہیں۔

سوال : آدم علیہ السلام نبی ہو کر فراق جنت و حوا کی جدائی میں کیوں رو رہے تھے؟

جواب : درحقیقت فراق جنت و حضرت حوا کی جدائی تو رونے کا بہانہ تھا اصل میں حق تعالیٰ کو اپنی محبت میں ان کو رلانا تھا کیونکہ مجاز حقیقت کا پھل ہے مثنوی شریف میں مولانا روم فرماتے ہیں ایک بار مجنوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا مولا تو نے مجھے عشق لیلیٰ دے کر اس مصیبت میں کیوں ڈالا کہ تمام دنیا میں رسوا ہو گیا اور یہاں کی لذتیں اور عیش سب بھول گیا۔

جواب ملا : اے دیوانے یہ لیلیٰ کا عشق نہیں ہے وہ تو فقط ایک پردہ ہے لیلیٰ کا رخسار آئینہ جمال یار ہے جس کے ذریعے تجھ کو اس کا دیدار حاصل ہوتا ہے۔ ایک بار لیلیٰ مجنوں کے پاس گئی اور کہا کہ میں ہی وہ لیلیٰ ہوں جس کے فراق میں تو تڑپ رہا ہے اس نے جواب دیا تو میری لیلیٰ کہاں سے آئی تو ایک انسان ہے غرضیکہ نام لیلیٰ کا رہ گیا اور کام کسی اور کا جب قلب آدمؑ کو توبہ

کے صابن سے صاف کر دیا گیا اور آنکھوں کے پانی سے اس کو خوب دھویا گیا تب رحمت الٰہی کی بارش ان پر ہوئی اور ان کو اپنا قرب عطا فرمایا۔

سوال : جب حق تعالیٰ نے سب چیزیں ہمارے لئے ہی پیدا کی ہیں تو پھر شریعت میں بعض چیزیں حرام کیوں فرمائی ؟

جواب : ہر چیز ہمارے ہی لیے پیدا ہوئی تاکہ ہم اس سے نفع اٹھائے نہ کہ تمام چیزیں کھانے کے لئے ہر چیز کا نفع جدا جدا ہوتا ہے۔ کسی کو کھاؤ کسی کو پہنو کسی کو سونگھو کسی سے بچو۔ تمہارے گھر میں تمہاری بیوی، ماں، بہن، بیٹی یہ سب تمہارے نفع کے لئے ہی ہیں لیکن ان سب کا نفع یکساں نہیں بیوی سے وطی کی جاتی ہے اور ماں بہن سے امداد اور شفقت حاصل کی جاتی ہے۔ پانی اور آگ سب تمہارے نفع کے لئے مگر پانی پیا جاتا ہے اور آگ کھائی پی نہیں جاتی اور جس طرح ہر چیز کا طریقہ استعمال سکھانے والے کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اسی طرح انبیاء کرام و اولیاء عظام کی تعلیم کے بغیر کسی چیز کو استعمال کرنا فائدہ مند نہ ہوگا۔

درسِ عبرت

یہ امت روایات میں کھوگئی ☆ حقیقت خرافات میں کھوگئی۔

پڑھنے والے اس کو صرف ایک گزری ہوئی حکایت و روایات سمجھ کر پڑھیں گے اور بھول جائیں گے۔ مگر کچھ اس میں سے درس عبرت حاصل کر کے اپنی زندگی کو کامیاب و کامران بنائیں گے۔

(۱) کوئی بھی کام خواہ چھوٹا ہو یا بڑا بغیر مشورہ نہ کریں۔ (۲) کسی کام کے کرنے سے قبل اس کا انجام سوچ لے۔ (۳) تکبر ایک ایسی آگ ہے جو علم عمل کو جلا دیتی ہے یسے آگ لکڑی کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ (۴) ہمیں ڈبانے کے لئے ہمیشہ شیطان ہمارا خیر خواہ بن کے آتا ہے اس لئے عمل سے قبل خوب سوچ لے کہ کہیں آٹے کے اندر کانٹا تو نہیں۔ (۵) ہمیشہ خیال رہے ہمارے ہاتھوں سے انبیاء کرام اولیاء عظام کا دامن نہ چھوٹے۔

(۶) ہماری بھلائی کے لئے جو حد مقرر کی گئی ہیں اس کا پاس رکھئے۔ (۷) مَنْ عَرَفَ کی لازوال دولت جو نفع کے ذریعہ روز ازل سے ہمارے اندر داخل ہے اسے پانے کی کوشش کریں۔

آدم علیہ السلام و حجرِ اسود

حضرت آدمؑ کا پتلہ چار چیزوں سے بنایا گیا۔ مٹی۔ پانی۔ آگ ہوا۔ اور پانچواں جز نور ہے۔ اس کی بناوٹ کا آغاز ہے جیسے ایک کمہار ایک برتن بنانے کے لئے مٹی کو پانے میں ملا کر چاک پر چڑھا کر حسب طبع چیزیں تیار کرتا ہے اور تیار شدہ چیز کو ایک سوت سے کاٹ کر چاک سے اتار لیتا ہے جس کے بعد بھی کچھ مٹی چاک پر رہ جاتی ہے اسی طرح پتلہ آدم تیار ہونے کے بعد کچھ مٹی چاک پر باقی رہ گئی۔ اس بچی ہوئی مٹی کو "حجر اسود" کہا گیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ آدم و حوا دونوں ایک ہی مٹی سے تیار ہوئے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ آدم سے حوا بنائی گئی۔ بہر حال جیسے بھی ہو ہر حالت میں چاک

پر مٹی بچ جانا ضروری تھا۔ اس مٹی کو حجر اسود کہا گیا۔ گویا زمین سے جو مٹی لی گئی اس کی بچت کو حجر اسود کہا گیا خواہ آدم تنہا یا آدم و حوا دونوں بنے۔ چونکہ انسان آدم و حوا کی اولاد ہیں اس لیے سب کی عقل و عادت اور خاصہ، خون، گوشت، ہڈی یکساں ہیں۔ البتہ نہ سمجھنے والے اپنے کو چاند کی اولاد یا سورج کی اولاد یا خدا کی اولاد یا کوہِ طور کی اولاد یا آگ یا ہوا کی اولاد کہتے ہیں۔ غرض یہ کہ اقوام کے ہزاروں عقائد ماں باپ سے وابستہ ہیں اور ماں باپ کی قدر و منزلت سب کے دلوں میں ہے۔

چونکہ آدم و حوا کل انسانوں کے باپ ماں ہیں اور وہ پانچ عناصر سے بنے ہیں لہٰذا دنیا کی بہت سی قومیں ایسی ہیں جو آدم کو نہیں سمجھ سکی ہیں مگر پتلہ کے بناوٹ کی پانچ چیزوں کا ادب و احترام کرتی ہیں اور حجر اسود کو بھی نہایت متبرّک سمجھتی ہیں۔ جیسے نمونہ کے لیے ہند کی قومیں ہیں۔

پتلہ کی پہلی چیز مٹی ہے	لہٰذا مٹی کو دھرتی ماتا کہتے ہیں۔
دوسری چیز پانی ہے	لہٰذا پانی کو نیرا ورنارائن کہتے ہیں۔
تیسری چیز گرمی ہے	لہٰذا آگ کو سورج مہراج کہتے ہیں۔
چوتھی چیز سانس ہے	لہٰذا ہوا کو نائب دھرم راج کہتے ہیں۔
پانچویں چیز نور ہے	لہٰذا نور کو آکاش چندر راج کہتے ہیں۔

حجر اسود پر انسانوں کے بہت بڑے عقائد ہیں مگر اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ کالا پتھر حضرت آدم کا پیدائشی ساتھی تھا اسی لئے دنیا میں اس کی قدر کی گئی۔ کیونکہ یہ جنتی پتھر حضرت آدمؑ کی نشانی ہے جو حجاج کرام کے لئے بوسہ گاہ ہوا ہے اس نظریئے سے مسلمانانِ عالم حجر اسود کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں

اور دنیا کے کل انسان چونکہ اولادِ آدم ہیں لہٰذا حجرہ اسود سے سب کی عقیدت یکساں ہیں۔

معرفتِ انسان

وَ التِّیۡنِ وَ الزَّیۡتُوۡنِ۔ وَطُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ۔ وَھٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ۔ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ۔ ثُمَّ رَدَدۡنٰہُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ۔

ترجمہ: ''قسم ہے تین یعنی تخمِ انجیر کی اور قسم ہے زیتون یعنی روغن زیتون کی اور قسم ہے طور سینا کی اور قسم ہے امن والے شہر کی کہ انسان کو بڑی اچھی تقویم سے بنایا گیا ہے اور پلٹ بھی دیتا ہوں نیچے سب نیچوں کے (سورۂ تین پارہ ۳۰) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کہ انسان کو اچھی تقویم سے بنا دیا تو پھر کیوں پلٹ بھی دیتا ہے نیچے سب نیچوں کے؟

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر انسان کو اچھی تقویم سے ہی بنا دیا تو پھر بار بار قسمیں کھانے کی کیا ضرورت تھی؟ قسمیں تو اس وقت کھائی جاتی ہیں جب کوئی شخص کسی بات کو ماننے کے لئے تیار نہ ہو۔

اور قسم جو کھائی جاتی ہیں گھاس پھوس، شہر قہر کی قسم، اپنے عرش و کرسی۔ لوح وقلم کی قسم نہیں کھایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کبھی بھی یہ بات ماننے کو تیار نہ تھا کہ انسان کو اچھی تقویم سے بنایا گیا ہے۔ اس لیے خدا نے قسمیں کھا کر یقین دلایا۔ اور گھاس پھوس کی قسموں میں جو مثالی راز پنہاں ہیں وہ عرش وکرسی ولوح وقلم میں نہیں ہیں اس وجہ سے گھاس پھوس کی قسم کھائی گئی؟

ہاں! اگر کوئی یہ کہے کہ راز واز کچھ نہیں ہے یونہی سامنے پڑ گیا خدا نے قسمیں کھا لیا تو میں کہتا ہوں اگر قسمیں کھانے میں کوئی مقصد نہیں تھا تو انجیر سے بڑا درخت برگد۔ زیتون سے زیادہ تیل ناریل۔ کوہ طور سے بلند پہاڑ ہمالیہ اور شہر مکہ سے خوشنما شہر یروشلم بیت المقدس کی قسمیں کھا کر ہر قوم میں یہ ثابت کریں کہ قسم ہے برگد۔ ناریل۔ ہمالیہ اور بیت المقدس کی کہ انسان بہت ہی خراب ترکیب سے بنایا گیا۔ اور وہ اپنی صفائی میں خدا کا کلام ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ۔ پیش کریں تو پھر اللہ کے کلام سے ہی اللہ کے قسموں کی تردید ہو جاتی ہے۔ اس سے بخوبی ظاہر ہے کہ خدا کی قسموں میں انسانیت کا راز پوشیدہ ہے اور وہ راز کچھ ایسا عجیب وغریب معلوم ہوتا ہے کہ انسان ہرگز ماننے کو تیار نہ تھا کہ انسانوں کو اچھی تقویم سے بنایا گیا ہے کیونکہ اچھی تقویم تسلیم کر لینے سے انسانوں کو اچھائی کی طرف چلنا پڑتا ہے یعنی جو چیز اچھائی سے بنتی ہے اس سے اچھائی حاصل ہوتی ہے اور جو گندگی سے پیدا ہوتی ہے وہ ہمیشہ گندگی کی طرف چلتی ہے۔ کیونکہ جنس اپنی ہی جنس اور خصلت کی طرف جاتی ہے۔ اس لیے خدا نے چار چیزوں کی مثالی قسمیں کھا کر انسانوں کو یقین دلایا کہ اچھی تقویم سے بنایا ہے۔ یہاں تک کہ انسان ہی مثل بلد الامین ہے اور انسانوں کے اندر ہی عرش اعظم جلوہ افروز ہے جس کے لئے خدا نے تخم انجیر کی مثالی قسم کھایا۔

کیونکہ تخم کے اندر ایک درخت پوشیدہ رہتا ہے۔ لہٰذا تخم کو فخر ہے کہ مجھ میں ایک بڑا درخت امانت ہے۔ اس لئے خدا نے انجیر کی قسم کھا کر فرمایا جیسے چھوٹے تخم میں ایک بڑا درخت سمایا ہے۔ ویسے چھوٹے سے بندے میں

ایک بڑا اللہ تعالیٰ مکیں ہے۔ پس تین کی مثالی قسم سے انسان کو یقین ہوا۔

(۲) تشریح قسم ہے زیتون کی۔ جیسے زیتون کو فخر حاصل ہے کہ میرے اندر غیر کثافتی روشنی موجود ہے ویسے انسان میں وہ پاکیزہ روشنی بھی موجود ہے جس میں کوئی کثافت نہیں۔ پس زیتون کی مثالی قسم سے انسان کو یقین ہوا۔

(۳) تشریح۔ قسم ہے طورِ سینا کی۔ کہ آج طور سینا کا شرف انسان کے سینے میں ہے۔

(۴) تشریح۔ قسم ہے امن والے شہر (مکہ معظّمہ) کی چونکہ انسانی تعمیر کردہ شہر مکہ کے مقابل خدا نے قسم کھا کر فرمایا کہ انسان مکہ معظّمہ کی طرح مشرف ہے۔ کیونکہ حضور کے روبرو زمانۂ جاہلیت والے ہرگز ماننے کے لئے تیار نہ تھے کہ خدا ہم سے بالکل قریب ہے۔ وہ صرف یہ جانتے تھے کہ خدا بہت دور ساتوں آسمان پر رہتا ہے اور انسان ایک گندہ بندہ ہے جو کبھی بھی اس بلندی پر نہیں پہنچ سکتا ہے۔

اس لئے خدا نے بلد الامین کی قسم کھا کر اس جاہل عوام کو یقین دلایا کہ خدا بالکل قریب ہے۔ اب ناظرین کرام بخوبی سمجھ سکتے ہیں جن کو یقین کامل ہوگیا کہ خدا بالکل قریب ہے۔ گویا وہی لوگ احسن تقویم سے بنائے گئے۔ مگر جو لوگ محض یہ سمجھتے رہ گئے کہ خدا بہت دور ساتویں درجے کی بلندی پر ہے گویا وہ لوگ گندے بندے تھے اور نیچے کے سب سے نیچے درجوں میں رہ گئے انہی کے لئے ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنُ کا نزول ہوا۔ اگر انسان قرآنی حقیقت کی روشنی کو تسلیم کرلے تو بے شک "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِی اَحْسَنِ تَقْوِیْمُ کی تعمیل ہوئی اور اگر نہ تسلیم کرے تو واقعی نیچے سب نیچوں

کے ہے۔ ثُمَّ رَدَدْ نٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ پس شمع اسلام کی روشنی سے احسن و اسفل دونوں راستے پیش نظر ہیں جو سمجھ میں آوے اسے تسلیم کر لیجئے۔ وہی راستہ آپ کے جسمانی خمیر کی بناوٹ کا ثبوت ہے

آدم سے پہلے آدم

شیخ اکبر محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ حدیث پاک: حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ آدم پیدا کیے اور ایک حکایت بھی نقل کی ہے کہ عالم مثال کے بعض مکاشفات میں جب کہ میں کعبہ معظّمہ کا طواف کر رہا تھا۔ ایسا ظاہر ہوا۔ کہ میرے ساتھ ایک ایسی جماعت طواف کر رہی ہے جن کو میں نہیں جانتا۔ انھوں نے طواف کے دوران میں دو عربی شعر پڑھے جن میں سے ایک یہ ہے۔

لَقَدْ طَفْنَا كَمَا طُفْتُمْ سِنِیْنَا ☆ بِهٰذَا الْبَیْتِ طٰهٗ اَجْمَعِیْنَا

میں نے جب یہ شعر سنا تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہ سب عالم مثال کے ابدال ہیں اور اس خیال کے آتے ہی ان میں سے ایک نے میری طرف نگاہ کی۔ اور کہا میں تمہارے آبا واجداد میں سے ہوں۔ میں نے پوچھا آپ کو فوت ہوئے کتنے سال گزر چکے ہیں۔ تو کہنے لگا۔ چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ میں نے تعجب سے کہا۔ کہ ابوالبشر آدم علیہ السلام کی شروع پیدائش سے لے کر اس وقت تک سات ہزار سال تو پورے نہیں ہوئے تو کہنے لگے تم کس آدم کی بات کرتے ہو یہ آدم تو وہ ہیں جو اس سات

ہزار سال کے دورہ کی ابتداء میں پیدا ہوئے ہیں تو شیخ نے فرمایا۔اس وقت وہ حدیث نبوی ﷺ جو پہلے تحریر ہو چکی ہے میرے دل میں گزری جو اس قول کی تائید کرتی ہے۔ (فتوحات مکیہ)

(مکتوبات امام ربانی جلد دوم حصہ ہفتم دفتر دوم مکتوب ۵۸ صفحہ ۴۲)

حضرت سلطان باہو نے اپنی کتاب تفسیر اسرار فاتحہ میں تحریر فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالی نے حضور سرکار دو عالمؐ سے فرمایا اے محمد ﷺ کہ میں نے تمہارے باپ حضرت آدمؑ سے قبل بھی آدمؑ کی تخلیق فرمایا تھا جن کی عمریں ایک ہزار سال کی تھی جس کے بعد پندرہ ہزار آدم اور تخلیق فرمایا جن کی عمریں دس دس ہزار سال کی تھیں ۔جس کے بعد میں نے تمہارے باپ حضرت آدم کو تخلیق فرمایا۔ (عین الفقر صفحہ ۳۳۵)

حضرت ابو القاسم نے اپنی کتاب تاریخ فرشتہ میں لکھا کہ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ ''حضرت آدم سے تین ہزار سال پہلے کون تھا؟ حضرت علی نے جواب دیا آدم تھا۔

سائل نے پوچھا اس سے تین ہزار سال پہلے کون تھا؟ آپ نے پھر جواب دیا کہ تب بھی آدم تھا۔سائل نے تیسری مرتبہ پوچھا پھر وہی جواب پایا ۔لہذا سائل خاموش ہو گیا اور چلا گیا۔ پھر جب کبھی سائل کو حضرت علی کریم اللہ وجہ نے دیکھا تو فرمایا۔تم نے اپنے سوال کا جواب نہیں پایا اور خاموشی اختیار کرلی ۔تب حضرت علیؓ نے یہ واضح کر دیا کہ اگر تو تیس ہزار مرتبہ اور

پوچھتا تب بھی یہی جواب تھا۔ (از تاریخ فرشتہ)

حضرت امیر علی چشتی نے تحریر فرمایا ہے کہ:

لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آدم سے پہلے کون تھا؟ حضورؐ نے جواب دیا: ''آدم'' کئی بار پوچھنے پر آپ نے بار بار وہی جواب دیا۔ اور حضور سرکار دو عالمؐ نے فرمایا کہ اگر تم لاکھوں سال تک کا سوال کرو گے تو میں یہی جواب دوں گا کہ آدم سے پہلے بھی آدم تھا۔ (از سراج المعرفت)

خُلاصہ مطلب:

خداوند تعالیٰ کی عنایت سے اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ وہ تمام آدم جو آدم علیہ اسلام کے وجود سے پہلے گزرے ہیں ان سب کا وجود عالم مثال میں تھا۔ نہ کہ عالم شہادت میں موجود ہے۔ جنہوں نے زمین میں خلافت پائی ہے اور مسجود ملائکہ ٹھہرے ہیں خلاصۂ کلام یہ ہے جو کہ یہ آدم جامعیت کی صفت پر پیدا ہوئے ہیں اور اپنی حقیقت میں بہت سے لطائف اور اوصاف رکھتے ہیں۔ یہ اپنے وجود سے پہلے ایجاد خداوندی سے بہت مدت پائے دراز تک اپنے لطائف اور اوصاف میں سے کسی ایک لطیفہ یا ایک صفت سے عالم مثال میں موجود ہوئے ہیں اور آدم کی صورت میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اور انھیں کے نام سے موسوم ہوئے ہیں اور جس آدم کا انتظار تھا۔ وہ اسی آدم سے وقوع میں آیا ہے یہاں تک کہ وہ توالد و تناسل جو اس عالم مثال کے مناسب تھا۔ وہ بھی ظہور میں آیا۔ اور ظاہری اور باطنی

کمالات جو اس عالم کے مناسب تھے۔ وہ بھی حاصل کئے اور عذاب وثواب کے مستحق ہوا، بلکہ اسی کے لیے قیامت قائم ہوئی اور جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے گئے اور پھر کسی وقت میں اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اسی عالم مثال میں آدم علیہ السلام اپنی کسی اور صفت اور لطیفہ کے ساتھ ظاہر ہوئے اور وہی کوالف جو ظہور اول سے وجود میں آئے تھے۔ ظہورِ ثانی میں بھی وجود میں آئے اور جب یہ دور بھی ختم ہوا تو آپ کی صفات اور لطائف میں سے تیسرے ظہور میں کوئی اور صفت اور لطیفہ حاصل ہوا۔ اور جب اس ظہور نے بھی اپنا دور ختم کیا۔ تو چوتھا ظہور حاصل ہوا۔

اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ اسی طرح سلسلۂ چلتا رہا۔ پھر جب ظہورات مثالیہ کے وہ تمام دور جو کہ اس کی صفات اور لطائف سے تعلق رکھتے تھے پورے ہو گئے تو بالآخر وہ نسخہ جامعہ ایجاد خداوندی سے عالم شہادت ہیں۔ وجود میں آ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے معزز ومحرم ہوا۔ اگر ایک لاکھ آدم بھی ہوں تو وہ اسی آدم کے اجزاء ہیں۔ اسی آدم کے ہاتھ پاؤں ہیں اور اسی کے وجود کے مبادی ومقدمات ہیں شیخ محی الدین ابن عربی کے وہ دادا جن کو چالیس ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ فوت ہوئے گزر چکا تھا وہ عالم مثال میں شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے دادا کا کوئی لطیفہ تھے۔ جو کہ عالم شہادت میں موجود ہوئے۔ اور بیت اللہ شریف کے وہ طواف جو انھوں نے کیے۔ وہ بھی عالم مثال میں کئے کیونکہ کعبہ معظّمہ بھی عالم مثال میں ایک شبہہ وصورت تھی۔ جو اس عالم مثال کا قبلہ تھی۔

خاکسار نے اس مسئلہ میں دور دور تک نظر دوڑائی ہے اور بہت غور وفکر کیا

ہے عالم شہادت میں کوئی دوسرا آدم نظر نہیں آیا اور عالم مثال کی عجوبہ کاریوں کے سوا اور کوئی چیز نہ مل سکی اور وہ جو مثالی جسم نے کہا کہ میں تمہارے آباء و اجداد سے ہوں اور مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ یہ اس بات پر سب سے بڑی دلیل ہے کہ اس آدم سے پہلے کئی آدم گزر چکے ہیں جو اس آدم کے صفات اور لطائف تھے۔ یہ نہیں کہ وہ علیحدہ پیدائش رکھتے تھے اور اس آدم سے الگ تھے کیونکہ جو الگ ہے۔ اس کی اس آدم سے کیا نسبت؟ اور وہ شیخ کا دادا کیوں ہونے لگا اور عالم شہادت کے آدم کی پیدائش کو تو ابھی سات ہزار سال بھی پورے نہیں ہوئے۔ چالیس ہزار سال کی کہاں گنجائش ہے۔

سوال: جسم مثالی کیا شئے ہے؟

جواب: اہل شرع اور اہل تصوف متعدد عوالم موجود مانتے ہیں ایک عالم شہود ہے۔ وہ تو یہی عالم ہے جس میں آپ اور ہم سب اس زندگی کے ساتھ زندہ ہیں۔ یہاں تمام اجسام مادہ اور عنصر سے بنے ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک عالم مثال ہے جس میں ہر مخلوق جو اس عالم شہود میں ہے اس عالم میں بھی ہے لیکن اس عالم میں مادہ اور عنصر کا وجود نہیں ہے وہاں جو اس کا جسم ہے وہ جسم عنصری نہیں بلکہ جسم مثالی کہلاتا ہے۔

پونر جنم (دوبارہ پیدائش)

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ جنم یعنی پیدا ہوتے ہیں اس مسئلہ پر زمانہ قدیم سے اب تک بحث چلی آرہی ہے کہ کیا یہ سچ ہے یا جھوٹ ۔اہل شرع نے اس مسئلہ کو خارج کر دیا کہ اسلام میں دوبارہ جنم نہیں ہوتا مگر یہ بھی غلط ہے اسلام دوبارہ پیدائش کو قبول تو کرتا ہے لیکن حشر میں جس کے بارے میں قرآن نے کئی مقامات پر تذکرہ فرمایا ہے۔

اب رہا صوفیاء کرام میں وہ اسے تجدد امثال کہتے ہیں۔

تجدد امثال: تجدد امثال یہ ہے کہ کائنات کی صورتیں ہر آن تبدیل ہورہی ہیں ۔ایک صورت زائل ہوتی ہے اور دوسری صورت آنے والی صورت جیسی ہے۔اس وجہ سے اس تبدیلی کا احساس نہیں ہوتا ہے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلی صورت علیٰ حالہا باقی ہے۔مولانا رومی مثنوی میں لکھتے ہیں کہ:

پس ترا ہر لحظہ مرگ و رجعت ست

مصطفیٰ فر مود دنیا ساعتے ست

(ہر لحظہ تیری موت اور واپسی ہے۔اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا ایک ساعت کی ہے۔)

انسان کی زندگی بھی یہی صورت ہے۔ ہر لمحہ فنا اور بقا ہے۔ لیکن یہ تبدیلی اس سرعت کے ساتھ ہے کہ زندگی مستقل اور مستمر محسوس ہوتی ہے جیسے نہر کے پانی کی سطح مستقل نظر آتی ہے۔ حالانکہ وہ سطح برابر بدل رہی ہے۔

عمر ہمچو جوئے نو نومی رسد
مستمرے می نماید در جسد

(زندگی نہر کے پانی کی طرح نئی نئی آتی رہتی ہے۔ بدن میں مسلسل نظر آتی ہے)

اگر کسی شعلہ کو تیزی سے گھماؤ تو وہ ایک دائرے کی شکل میں نظر آنے لگتا ہے حالانکہ ہر آن وہ شعلہ دائرے میں اپنی جگہ بدل رہا ہے لیکن تم اسے محسوس نہیں کر رہے ہو۔

شاخِ آتش را بہ جنبانی بسار
در نظر آتش نماید بس دراز

(جلی لکڑی کو تیزی سے گھماؤ۔ تو دیکھنے میں ایک لمبی آگ نظر آئے گی۔)

ہر نفس نو مے شود نیا و ما ☆ بے خبر از نو شدن اندر بقا

(ہر سانس میں دنیا نئی بن رہی ہے۔ ہم اس کے نئے بننے سے بے خبر ہیں) یعنی جو سانس اوپر آتی ہے۔ گویا از سر نو انسان پیدا ہوتا ہے اس کا امتیاز کسی کو نہیں ہوتا۔ اتنا ہی سمجھتا ہے کہ حال اور خیال بدل گیا۔ حقیقت میں انسان نئی ہستی لیتا ہے۔ جب سانس نیچے اترتی ہے تو گویا انسان معدوم ہوتا ہے۔ پھر نفس دیگر میں دوسری صفت کے ساتھ از سر نو پیدا ہوتا ہے۔ ہر آن انسان کو موت و حیات ہے۔ اگر ایک فکر خیر میں ڈوبا بعد فنا کے دوسرے وقت میں فانی

ہو کر پیدا ہوتا ہے تو اس فکر خیر کا نتیجہ اسے حاصل ہوتا ہے۔ ہندو اسی سے مراد لیتے ہیں کہ آدمی دوسرے وقت وجود پکڑ کر جزا پاتا ہے۔ یہ گفتگو راہ سلوک میں ہے اور از روئے حقائق کے معنی اس کے دوسرے ہوتے ہیں۔ ذات کی صفات لامحدود ہیں۔ موت وحیات سے مراد مدو جزر دریا کے مانند ہے یعنی ذات ایک صفت نو کے ساتھ نمایاں ہوئی گویا وہ مد دریا ہے پھر جذبۂ ذات نے اس صفت کو جذب کر لیا واسطے ظہورِ صفت دیگر کے تو وہ جزر دریا ہے۔

میں کون ہوں؟

میں کون ہوں؟ اس سوال کا جواب شاید آدمی کے ذریعے پوچھے جانے والے کسی بھی سوال سے زیادہ آسان ہے۔ اور ساتھ ہی اور جلدی سے یہ بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ اس سوال سے زیادہ کٹھن کسی اور سوال کا جواب بھی نہیں۔ آسان تر بھی یہی ہے اور کٹھن تر بھی یہی ہے۔ آسان اس لئے ہے کہ جو ہم ہیں اگر اس کا سوال بھی حل نہ ہو سکے اگر اس کا جواب پانا بھی آسان نہ ہو تو پھر اس دنیا میں اور سوال کا جواب آسان نہیں ہو سکتا جو میں ہوں اگر میں اسے بھی نہ جان سکوں تو میں اور کسے جان سکوں گا۔ کسی بھی دوسرے سے میں صرف باہر سے واقف ہو سکتا ہوں پر جان نہیں سکتا۔ اوپری طور پر پہچان ہو سکتی ہے کیونکہ میں سدا دوسروں کے باہر ہوں۔ میں کبھی دوسروں کے اندر داخل نہیں ہو سکتا ہوں۔ میں کتنا ہی دوسروں کے ارد گرد گھوموں پر باہر ہی

گھومتا رہوں گا۔ میں دوسروں سے واقف ہو سکتا ہوں۔ لیکن دوسروں کا علم کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر میرا ہی علم ممکن نہ ہو اور آسان نہ ہو تو اور آسان کیا ہو گا۔ اگر خود کا علم کٹھن ہے تو پھر لاعلمی کے علاوہ کچھ بھی آسان نہیں ہو سکتا اگر خود کا علم کٹھن ہے تو اس دنیا میں اور کسی بات کو جاننے کا تو خیال وخواب بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ خود کا علم بہت آسان ہے اس لئے بھی کہتا ہوں کہ خود کو جاننے کے لئے کہیں بھی تو جانا نہیں پڑتا کوئی سفر نہیں کرنا پڑتا خود کو کھوجنے کے لئے مجھے کہیں پہنچنا نہیں ہے۔ میں وہاں ہوں ہی۔ خود کو جاننے کے لئے مجھے کچھ کھودنا بھی نہیں ہے کچھ بنانا بھی نہیں ہے میں بنا ہوا ہی ہوں۔

اس لئے خود کو جاننا آسان تر ہے لیکن میں نے کہا جلدی سے یہ بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ خود کو جاننے سے زیادہ کٹھن بات بھی اور کچھ نہیں ہے۔ یہ کیوں ؟ یہ اس لئے چونکہ ہم خود ہیں اس لئے ہماری جاننے کی لہر اور سب جگہ بھٹکتی رہتی ہے پر خود پر کبھی نہیں آتی۔ آنکھیں دوسروں کو تو دیکھ لیتی ہیں پر آنکھ خود اپنے کو نہیں دیکھ پاتی۔ میں اپنے ہاتھوں سے دوسروں کو پکڑ سکتا ہوں پر اپنے ہاتھ سے ہاتھ کو نہیں پکڑ سکتا ہوں۔ ایک چمٹے سے ہم سب کچھ پکڑ سکتے ہیں صرف اس چمٹے کو نہیں پکڑ سکتے۔ پر یہ ایک عجیب بات ہے کہ ایک چمٹا سب کو پکڑ لیتا ہے صرف اپنے کو چھوڑ کر اپنے کو پکڑنے میں چمٹا مجبور ہو جاتا ہے۔

آنکھ سب کو دیکھ لیتی ہے صرف اپنے کو چھوڑ کر اگر ہم پوری کوشش کریں کہ آنکھ سے ہی آنکھ کو دیکھنے کی تو یقینی طور پر ناکامیاب ہوں گے۔ ہاں! کسی آئینے میں دیکھ سکتے ہیں لیکن وہ ہم آنکھ کو نہیں دیکھ رہے بلکہ آنکھ کے عکس کو

دیکھ رہے ہیں۔ آنکھ دوسری چیز ہے اور عکس دوسری چیز۔ آنکھ سب کو دیکھ سکتی ہے۔ دیکھنا بڑی آسان بات ہے آنکھ کے لئے دیکھنے سے زیادہ آسان کیا ہوگا۔ لیکن خود کو ہی دیکھنا سب سے زیادہ کٹھن ہے۔

''خیال رہے'' جو ہمارے پاس نہیں ہے اس پر نظر جاتی ہے اور جو ہمارے پاس رہے ہے ہم اس کو بھول جاتے ہیں۔ بھول ہی جاتے ہیں اور ہم ہمارے پاس ہمیشہ سے ہی ہیں ازل سے ہیں ایسا کبھی بھی نہ تھا کہ ہم اپنے پاس نہ رہے ہوں تو ہم بھول ہی گئے ہیں۔ خود کو پر نہ معلوم کب سے؟ خود کو بھول گئے ہیں۔ جو چیز پاس ہو وہ چیز ہم بھول جاتے ہیں۔

جس کے پاس دولت ہو وہ دولت کو بھول جاتا ہے صرف غریب کو دولت یاد رہتی ہے کیونکہ اس کے پاس دولت نہیں ہے۔ صحت مند آدمی صحت کو بھول جاتا ہے صرف بیمار آدمی کو صحت یاد رہتی ہے کیونکہ اس کے پاس صحت نہیں۔ کبھی صحت مند آدمی کو پتہ نہیں چلتا کہ صحت ہے اگر کسی کو پتہ چلتا ہو تو جان لینا وہ آدمی بیمار ہے بیمار کو ہی شعور ہوتا ہے کہ صحت ہے صحت مند کو نہیں ہوتا۔ جو ہمارے پاس ہے وہ بھول جاتا ہے اور جو ہمارے پاس نہیں ہے وہ کھٹکتا رہتا ہے وہ دکھائی پڑتا ہے اسی لئے تو جو ہم مانگتے ہیں جب تک نہیں ملتا تب تک ہی یاد میں رہتا ہے اور جب مل جاتا ہے تو بے کار ہو جاتا ہے۔ ایک آدمی دولت تلاش کرتا ہے اور دولت پا لیتا ہے وہ سوچتا تھا کہ دولت پالونگا تو نہ جانے کیا مل جائے گا پر دولت ملتے ہی کچھ بھی نہیں ملتا دولت بھی بھول جاتا ہے جو ہمارے پاس ہے وہ ہم بھول جاتے ہیں۔ اور ''ہم سے زیادہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔'' نہ دولت ہو سکتا ہے نہ مکان ہو سکتا ہے نہ عاشق

ہوسکتا ہے ہم سے زیادہ ہمارے پاس کوئی بھی نہیں اور ہم سدا سے ہمارے پاس ہیں۔ ایسا کبھی نہ ہوا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی ہم خود سے الگ ہوئے جدا ہوئے ہوں اس لئے خود کو یاد کرنا خود کو جاننا بہت کٹھن ہے اور اس لئے بھی کٹھن ہے کہ جاننے کے لئے ''دو'' (۲) کی ضرورت ہے ایک وہ جو جاننے والا ایک جو جانا جائے۔ جاننے کے لئے کم سے کم ''دو'' تو چاہیے جیسے میں آپ کو جان سکتا ہوں کیونکہ آپ میں اور مجھ میں ایک فاصلہ ہے ہم دو ہیں ہم سورج کو جان سکتے ہیں ہم چاند کو جان سکتے ہیں یہ کہ دونوں کے بیچ فاصلہ ہے اور دو ہیں کیونکہ جو جانا جا رہا ہے وہ الگ ہے اور جاننے والا الگ ہے پر خود کو جاننے میں ایک مصیبت یہ ہے کہ یہاں خود کو جاننے والا بھی وہی ہے اور جس کو جانا جائے وہ بھی وہی ہے یعنی ایک ہیں اس لئے یہ سب سے کٹھن ہے ۔یہ کیسا ہے؟

جیسے عاشق بھی آپ ہیں اور معشوق بھی آپ پھر مشکل سمجھ میں آسکتی ہے۔ اگر آپ کو اکیلے کمرے میں چھوڑ دیا جائے اور کہا جائے کہ عاشق بھی آپ ہیں اور معشوق بھی آپ۔ اب عشق بھی آپ دیں اور عشق بھی آپ لیں آپ اکیلے ہی کمرے میں چھوڑ دیئے گئے ہیں آپ یا تو پاگل ہو جائیں گے یا باہر آکر کہیں گے کہ عشق کے کھیل سے مجھے معاف کرنا میں یہ نہیں کرنا چاہتا ہوں جیسے کوئی خود کو ہی محبت کرنے میں غصے میں پڑ جائے ویسے ہی میں کون ہوں؟ اس سوال کی جو تلاش میں جانے والا آدمی مشکل میں پڑ جاتا ہے وہاں دو نہیں ہیں وہاں ایک ہی ہے وہاں وہی ہے صرف اکیلا ہی ہے اسی کو جاننا ہے اسی کو جانا بھی جانا ہے اسی کو شاہد بھی بننا ہے اسی کو مشہود بھی بننا ہے۔

یہ سب سے زیادہ کٹھن بات ہے ایک ہی چیز کا ایک ساتھ شاہد و مشہود بننا بڑا مشکل معاملہ ہے اس کا مطلب ہے ایک ہی لمحہ میں میں وہاں بھی کھڑا ہو جاؤں جہاں Object بن جاؤں اور وہاں بھی کھڑا ہو جاؤں جہاں Subject بن جاؤں۔ ایک ہی ساتھ ایک ہی لمحہ میں دو جگہ کیسے کھڑا ہو سکتا ہے۔ جاننے والا بنتا ہوں تو جاننے کے لئے کچھ بھی نہیں رہتا اور اگر جس کو جانا جانے والا ہے وہ بن جاؤں تو جاننے کو کوئی نہیں بچتا۔

اس لئے میں نے کہا کہ اس سے زیادہ کٹھن کوئی سوال نہیں اور اس سے زیادہ آسان بھی کوئی سوال نہیں اور جو سوال آسان بھی ہو اور کٹھن بھی ہو ایک ساتھ اس سوال کے لئے کہا جائے اسے کٹھن کہا جائے یا آسان کہا جائے یہ دونوں باتیں ایک ساتھ ہیں۔ اور آپ کہیں گے کہ ایسا تو ہوتا نہیں۔ یہ دونوں الٹی باتیں ایک ساتھ کیسے ہو سکتی ہیں؟ میں آپ سے کہتا ہوں جو نہیں جانتے وہ یہی کہیں گے اور جو جانتے ہیں وہ حیران ہو کر کہیں گے کہ دنیا میں سبھی الٹی باتیں ایک ساتھ ہی ہوتیں ہیں۔ ہم نے صرف آسانی کے لئے تمام مخالف چیزوں کو توڑ لیا ہے۔

مخالف چیزیں کہیں بھی ٹوٹی ہوئی نہیں ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ رات الگ ہے دن الگ۔ کہاں ہے؟ الگ؟ کس جگہ ہے الگ؟ کون سی حدِ تعین ہے؟ جہاں رات الگ ہے دن الگ۔ رات ہی دن بن جاتا ہے دن ہی رات بن جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اندھیرا اجالا الگ ہیں۔ کس نے کہا ہے؟ کسی ناسمجھ نے کہا ہوگا اندھیرے اور اجالے کے درمیان صرف ڈگری کا فاصلہ ہے ہم کہتے ہیں کہ پیدائش اور موت الگ ہے پر جھوٹی ہے یہ بات، پیدائش ہی

موت بن جاتی ہے اور موت ہی پیدائش دونوں الگ نہیں ہیں ایک ہی چیز کی ترقی ہے ذرا بتاؤ کب آتی ہے موت، پیدائش ہی ترقی کرتے کرتے موت بن جاتی ہے اور جو جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ موت ہی بڑھتے بڑھتے پیدائش بن جاتی ہے۔

پیدائش وموت دو الگ چیزیں نہیں ہیں مگر جاہلوں نے دو بنا رکھی ہیں۔ ایک اور چھوٹی سی چیز کی مثال لیں کہ گرم اور ٹھنڈا اور سمجھتے ہیں کہ دو الگ چیزیں ہوں گی۔تو بڑا غلط سمجھتے ہیں۔

ایک دن چھوٹا سا عمل کریں کہ ایک ہاتھ کو برف پر رکھیں اور دوسرے ہاتھ کو آگ کے قریب گرم کریں پھر دونوں ہاتھوں کو ایک پانی سے بھرے ہوئے برتن میں ایک ساتھ ڈال دیں اور تب آپ کو بڑی حیرانی ہوگی کہ ایک ہاتھ کو وہ پانی گرم لگے گا اور دوسرے ہاتھ کو وہ پانی ٹھنڈا لگے گا۔ وہ پانی بالکل ایک ہے ایک ہی برتن میں بھرا ہے تب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ گرم اور ٹھنڈا دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ گرم اور ٹھنڈا ایک ہی چیز کے درمیانی ڈگری کا فاصلہ ہے۔ زندگی میں جہاں جہاں ہمیں ضد ومخالفت دکھائی پڑتی ہے وہاں وہاں ضد ومخالفت نہیں ہوتی۔ زندگی میں مخالفت ہے ہی نہیں چونکہ زندگی بہت الجھ جائے گی اس لئے ہم اسے صاف ستھرا کرنے کے لئے اسے توڑ دیتے ہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں گرمی الگ ہے ٹھنڈ الگ ہے۔ کہتے ہیں برُا آدمی الگ ہے اچھا آدمی الگ ہے۔

جھوٹی ہے یہ بات نہ کوئی برا آدمی الگ ہے نہ کوئی اچھا آدمی الگ ہے برے سے برُا آدمی اچھے سے اچھے آدمی سے جڑا ہے۔ ٹھنڈ اور گرمی کی طرح

ایک ہی چیز کی دو ڈگری ہے اور کوئی حدِ فاصلہ نہیں۔ ان کے بیچ ایک ہی چیز کا پھیلاؤ ہے۔ دو چیزیں نہیں۔ نہ کوئی بُری روح ہے نہ کوئی اچھی روح ہے بس ایک ہی چیز کی دو صورت ہیں لیکن ہم نے ہر چیز کو توڑ رکھے ہیں اور توڑنے سے بالکل جھوٹی دنیا بنا رکھی ہے اور اس جھوٹی دنیا کی وجہ سے سمجھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اس لئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ زندگی کا جب بھی اصلی سوال پیدا ہوگا وہاں ہمیشہ الٹی چیزیں ساتھ ہوں گی۔ حالانکہ کہیں بھی کچھ الٹا نہیں پھر ہماری سمجھ بہت کم ہے ہم ہر چیز کو ٹکڑے ٹکڑے میں ہی سمجھ پاتے ہیں اس لئے مصیبت ہو جاتی ہے۔

جیسے کوئی ایک بڑا مکان ہو اور اس مکان میں ایک چھوٹا سا چھید ہو اس چھید میں سے اگر جھانک کر دیکھیں تو آپ کو پورا مکان ایک ساتھ دکھائی نہیں پڑے گا۔ پہلے ایک چھوٹا سا ٹکڑا دکھائی پڑے گا پھر کرسی دکھائی پڑے گی پھر آپ کی آنکھ آگے گئی پھر آپ کو ایک پھولوں کا برتن دکھائی پڑتا ہے پھر آپ کی آنکھ اور آگے گئی آپ کی آنکھ کو ایک تصویر دکھائی پڑتی ہے اور آگے گئی تو کچھ اور دکھائی پڑتا ہے۔ آپ نے اس کمرے کو چار ٹکڑوں میں توڑ توڑ کر دیکھا جس سے دیکھنے کی قوت بہت چھوٹی ہو گئی وہ کمرا ایک ہی ہے وہاں کہیں چار ٹکڑے نہیں۔ جو آدمی کمرے کے اندر چلا جائے وہ کہے گا کہ کمرا ایک ہے لیکن آپ نے اسے چار ٹکڑوں میں دیکھا کیوں کہ آپ باہر سے دیکھ رہے ہیں اور دیکھنے کی قوت بہت کم ہے۔

اس لئے تھوڑا تھوڑا کر کے دیکھ رہے ہیں۔ آپ کے پیمانے چھوٹے ہیں زندگی بہت بڑی ہے اور ہم اتنی بڑی زندگی کو اکٹھا لے تو ہم بڑی مشکل میں پڑ

جائیں گے۔ اگر ہم بد اور نیک کو ایک ساتھ لیں تو ہماری بڑی مصیبت ہو جائے گی ہم تو نیک کو الگ مانتے ہیں اور بد کو الگ جانتے ہیں۔ تب ہم کو آسانی لگتی ہے۔

خود ساختہ بنائے ہوئے قائدے کہتے ہیں کہ 'الف' کبھی 'ب' نہیں بن سکتا اور 'ب' کبھی الف نہیں بن سکتا اور اس سے زیادہ غلط بات دنیا میں کبھی نہیں کہی گئی اس سے زیادہ اثر انداز بات کبھی نہیں کہی گئی اس طرح کی بے ساختہ بات کا اثر ساری دنیا پر حاوی ہے جب کہ سچائی یہ ہے کہ 'الف' 'الف' بھی ہے اور 'الف' 'ب' بھی ہے۔ زندگی تو یہی ہے۔ جسے آپ خزاں کہتے ہیں وہ بہار کی ہی دوسری شکل ہے جسے آپ بوڑھاپا کہتے ہیں وہ بچپن ہی کی دوسری تصویر ہے۔ جسے آپ بدصورتی کہتے ہیں وہ خوبصورتی کا ہی دوسرا رخ ہے جسے آپ غم کہتے ہیں وہ خوشی کی ہی دوسری چوٹ ہے جسے آپ عزت کہتے ہیں وہ بے عزتی کا دوسرا راستہ ہے یہاں زندگی میں سب جڑا ہے یہاں الگ الگ ٹکڑے کچھ بھی نہیں اور اگر یہ بات خیال میں آجائے تو یہ بات بھی خیال میں آجائے گی کہ جو سوال سب میں آسان ہے وہ سوال سب میں زیادہ مشکل کیوں؟ اس بات کو ایک چھوٹی سی حکایت کے ذریعے سمجھیے۔

ایک دن ایک فقیر مسجد کے مینار کے نیچے سے گزر رہا تھا مینار کے اوپر موذن اذان دے رہا تھا کہ اچانک وہ گر پڑا اور اس فقیر کے کندھوں پر گرا اس فقیر کی گردن ٹوٹ گئی اس فقیر کو اسپتال میں بھرتی کیا گیا اس فقیر کے کچھ عقیدت منداس سے ملنے اسپتال آئے۔

ان عقیدت مندوں میں سے ایک نے اس فقیر سے پوچھا کیونکہ وہ جانتے

تھے کہ اس فقیر کی یہ عادت تھی کہ زندگی میں چاہے کچھ بھی ہو جائے ان سے کچھ نہ کچھ نتیجہ لیتا تھا۔ اس لئے پوچھا گیا کہ ہم بڑی مشکل میں ہیں ایک آدمی کا آپ پر گرنا آپ کی گردن ٹوٹ جانا اس سے آپ نے کیا نتیجہ لیا۔ اس فقیر نے کہا بڑا اصاف نتیجہ لیا۔

اب تک میں نے سنا تھا کہ جو آدمی گرے گا اس کی گردن ٹوٹے گی اب مجھے پتہ چلا کہ گر کوئی سکتا ہے گردن کسی اور کی ٹوٹ سکتی ہے اب تک میں سمجھتا تھا کہ گرنے والا الگ ہے اور جس پر گرا وہ الگ ہے اگر دونوں الگ ہیں تو کوئی گرتا کوئی کی گردن کیسے ٹوٹ جاتی اب میں سمجھا کہ سب ایک ہیں جو گرا وہ بھی وہی ہے جس پہ گرا وہ بھی وہی ہے اس لئے تو میری گردن ٹوٹی جب کہ گرا وہ ۔تھوڑا کٹھن ہے جو گرا ہے اور جس پر گرا ہے ان دونوں کو ایک میں دیکھ پائیں۔ تھوڑا کٹھن ہے جو پھول کھل رہا ہے اور جو پھول مرجھا رہا ہے ہم ان دونوں کو ایک میں دیکھ پائیں۔ وہاں جو مرجھا کر سکڑ رہا ہے یہاں وہی پھول کھل رہا ہے۔ اگر ہم ایک تالاب میں پتھر پھینکے تو لہر اٹھے گی اور اس کے پاس ہی گڑھا ہو گا لیکن کبھی آپ نے سوچا ہے جو گڑھا ہے وہی لہر بن گئی آپ بڑے بڑے پہاڑ دیکھنے جاتے ہیں آپ نے کبھی خیال کیا کہ نیچے جو کھائی ہے وہی پہاڑ بن گئے وہ دو الگ چیزیں نہیں ہیں اگر دنیا کی ساری کھائی مٹا دو تو سارے پہاڑ مٹ جائیں گے کہ کوئی پہاڑ بچ سکتا ہے۔ اگر دنیا سے ساری کھائی مٹادی جائے۔ کھائی گئی تو پہاڑ گئے۔

زندگی کے تمام مخالف پہلو جڑے ہوئے ہیں اس پر میں کیوں زور دے رہا ہوں، اس لئے زور دے رہا ہوں کہ خیال میں آجائے کہ مخالف دکھائی دینے

والی بات کہ میں کون ہوں؟ سب سے آسان بھی اور سب سے کٹھن بھی۔ اس پر میں کیوں زور دے رہا ہوں اس بات سے فائدہ کیا ہوگا اس سے فائدہ ہوگا کیونکہ جیسے ہی یہ سمجھ میں آجائے کہ یہ آسان بھی ہے اور کٹھن بھی تو نہ وہ پھر آسان رہے جائیگی نہ وہ کٹھن رہے جائے گی۔ تب ہی تک کوئی چیز آسان ہے جب تب کوئی چیز مشکل نہ ہو اور تب ہی تک کوئی مشکل ہوگی جب تک وہ چیز آسان نہ ہو۔ دونوں چیزیں ایک ساتھ کیسے ہوسکتی ہیں۔

ایک آدمی یا زندہ ہوسکتا ہے یا مرا ہوا ہوسکتا ہے اگر ہم یہ کہیں کہ وہ آدمی زندہ بھی ہے اور مرا ہوا بھی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ آدمی کچھ ایسا ہے نہ وہاں زندگی کے کچھ معنی ہوں گے نہ موت کے کچھ معنی ہوں گے جیسے کوئی قومہ میں ہو۔ وہ آدمی اگر ایک ساتھ زندہ و مرا ہوا ہوسکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ زندگی اور موت دونوں اوپری حادثہ ہے باطن میں وہ آدمی بالکل الگ ہے یہ دونوں باتیں ایک ساتھ ہوسکتی ہیں۔ یہ دونوں باتیں اسی لئے ہوسکتی ہیں کیونکہ ''سچ'' تیسرا ہے اگر پانی ٹھنڈا ہی ہو تو اس کے ساتھ گرم نہیں ہوسکتا اور اگر پانی گرم ہو تو اسی کے ساتھ ٹھنڈا نہیں ہوسکتا لیکن پانی ٹھنڈا اور گرم ایک ساتھ ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ پانی ٹھنڈا ہے نہ گرم۔ ٹھنڈا اور گرم پانی کے اوپری سطح پر آنے اور جانے والے حادثات ہیں، پانی کا جو خود اس کا ہونا ہے جو اس کی حقیقت ہے وہ نہ ٹھنڈی ہے نہ گرم۔

زندگی کا اصلی سوال میں کون ہوں؟ وہ نہ آسان ہے نہ کٹھن کیونکہ وہ دونوں ہے اس کا کیا مطلب؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ میں کون ہوں اس کو سوال کی طرح لینا ہی مت ورنہ بھٹک جاؤ گے یہ سوال نہیں ہے، سوال وہ

ہوتے ہیں جنکے جواب کسی سے مل سکتے ہیں یہ سوال نہیں ہے کہ میں کون ہوں کیونکہ اس کا جواب کسی سے بھی نہیں مل سکتا اور بہت مزے کی بات یہ ہے کہ اس کا جواب آپ سے بھی نہیں مل سکتا جواب تو جب ملے گا جب آپ بھی نہیں ہونگے۔ جواب کسی سے بھی نہیں مل سکتا نہ کسی دوسرے سے نہ اور خود سے۔ جواب اسی دن ملے گا جب آپ نہ ہونگے۔

جواب اس دن ملے گا جس دن سوال بھی نہ ہوگا پھر کریں کیا اگر یہ مشکل و آسان دونوں ہے اور ہم ان دونوں سے الگ ہیں تو ہم کریں کیا۔ اس کا مطلب ایک ہوا اس کو سوال نہ بنائیں۔ اگر اس کو سوال بنایا تو جواب کتابوں میں لکھے ہوئے ان جوابوں کو آپ ڈھونڈ لیں گے۔ پوچھیں گے میں کون ہوں۔ کتاب کھولو گے وہاں لکھا ہوگا کچھ آپ پڑھ لیں گے کہیں گے کہ یہ میں ہوں۔ کہیں لکھا ہوگا کہ آپ روح ہیں تو پڑھ لیں گے۔ کہیں لکھا ہوگا کہ آدمی روح وغیرہ کچھ نہیں صرف مادہ ہے۔ کھاؤ پیو اور موج کرو اور کچھ بھی نہیں ہے اس کو پڑھ لے گا اور حفظ کر لے گا۔ آپ نے اگر سوال بنایا تو آپ کہیں نہ کہیں جا کر جواب سیکھ لیں گے۔

میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ سوال ایسا نہیں جو آپ کسی سے سیکھ لیں۔ یہ سوال بہت اور طرح کا ہے جس کا کوئی جواب کبھی بھی کہیں سے نہیں مل سکتا نہ کبھی کسی کو کہیں سے ملا اور جس نے بھی کوئی جواب پکڑ لیا وہ بھٹک گیا پھر اس کو راستہ بھی نہیں ملا۔ میں اس بات کو اس طرح لینا چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے صاف ہو جائے کہ یہ کوئی سوال نہیں ہے کہ جو کسی سے پوچھ لینا ہے۔ ”یہ ایک باطنی تجسس ہے“ جس کا جواب نہیں ملے گا۔ بلکہ جب ہم

تجسس کریں گے تو آہستہ آہستہ سوال بھی کھو جائے گا یہ دونوں باتوں میں بڑا بنیادی فرق ہے۔

ایک دن ایک آدمی ایک بزرگ کے پاس گیا وہ جوان تھا وہ برسوں سے اسی کی تلاش میں لگا ہوا تھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے جا کر بزرگ سے پوچھا کہ میں کون ہوں اس بزرگ نے کہا کہ مجھ سے پہلے بھی یہ سوال تو نے کس سے پوچھا تھا؟ اس نے کہا کہ میں نے یہ سوال کئی بزرگوں سے پوچھا پھر بزرگ نے پوچھا تجھے جواب ملا یا نہیں اس جوان نے کہا جواب تو سب نے مجھے دیئے پر مجھے ملا نہیں ۔یعنی اطمینانِ قلب نہیں ہوا۔اس بزرگ نے کہا کہ تو پھر مجھ سے پوچھنے آ گیا میں بھی تجھے جواب دوں گا پر تجھے ملے گا نہیں اس سے تو یہ مت سمجھ لینا کہ جواب دینے والوں نے غلط جواب دیئے ہوں گے۔

بلکہ یہ سوال ایسے ہیں کہ اس سوال کا جواب کوئی دوسرا دے ہی نہیں سکتا۔صحیح جواب بھی دیا جائے تو دیا ہوا جواب بھی دوسروں کے ہاتھ میں آ کر بے کار ہو جاتا ہے جیسے ہی کسی کے جواب دیتے ہی جواب مر جاتا ہے یہ ویسے ہی ہے جیسے ایک پھول پودے سے کھلا جب تک وہ پودے پر ہے زندہ ہے اور جیسے ہی آپ توڑ کر گھر کی طرف چلے تو وہ مر گیا اس کا پودے پر ہونا ہی اس کا زندہ ہونا ہے وہ جواب جو بزرگوں کے اوپر زندہ تھا جیسے ہی آپ سن کر لوٹے تو وہ مر گیا پھر اس بزرگ نے کہا یہ جواب کسی سے بھی نہیں مل سکتا۔پھر جوان پوچھنے لگا کہ جواب آپ کو بھی پتہ نہیں ہے بزرگ نے کہا کہ پتہ مجھے بھی ہے اور سب بزرگوں کو پتہ تھا لیکن اپنا پتہ صرف اپنے ہی کام میں آتا ہے اس جوان نے کہا پھر میں کیا کروں بزرگ نے کہا کہ

پوچھ مت ایک سال یہاں رک جا اور چپ ہو جا۔ پوچھنے کی کوشش مت کر کیونکہ پوچھنا بھی ایک طرح کی پریشانی ہے۔ سال بھر بعد تو مجھ سے پوچھنا اگر تو پوچھے گا تو میں ضرور تیرے سوال کا جواب دوں گا۔ جوان نے کہا کہ ٹھیک ہے میں اس امتحان سے بھی گزرنے کو راضی ہوں میں ایک سال چپ رہوں گا پھر ایک سال بعد آپ میرے سوال کا جواب دیں گے؟ بزرگ نے کہا کہ یہ وعدہ رہا۔

ایک سال گزر جانے کے بعد وہ بزرگ اپنے تمام مریدوں کے سامنے اس جوان کو کھڑا کیا اور کہا کہ پوچھ لو وہ ہنسنے لگا اس نے کہا کہ معاف کریں مجھ سے بھول ہوگئی جو میں نے ایک سال قبل آپ سے پوچھا، نہ جانے آپ کو کیسا لگا ہوگا میرا پوچھنا شاید ایسا ہی لگا ہوگا جیسے کوئی آدمی ٹائیفڈ کے بخار میں پڑا ہو اور پوچھتا ہے کہ میری کھاٹ مشرق اُڑ رہی ہے یا مغرب کی جانب اُڑ رہی ہے

میری کھاٹ کہاں جارہی ہے۔ گھر کے لوگ کہتے ہیں کہ جب ٹھیک ہو جاؤ گے جب سمجھا دیں گے۔ اگر کوئی آدمی اس مریض کا جواب دے کہ یہ مشرق میں نہیں مغرب اڑ رہی ہے تو وہ آدمی یقیناً پاگل ہے۔ گھر کے سمجھدار لوگ کہیں گے کہ چپ رہو پہلے ڈاکٹر کو بلاتے ہیں تمہارا علاج کرتے ہیں وہ مریض کہیے کہ علاج کا سوال نہیں ہے میں پوچھتا ہوں کھاٹ کہاں جارہی ہے مشرق یا مغرب گھر کے لوگ کہیں گے کہ ٹھہرو صبح ہو جانے دو تم ذرا ٹھیک ہو جاؤ پھر تم پوچھنا پھر ہم جواب دیں گے اس جوان نے کہا کہ آپ نے سمجھا ہوگا کہ میں ٹائیفڈ کے بخار میں ہوں اور بخار میں تھا آپ نے ٹھیک کہا کہ اس

کا جواب کوئی نہیں دے سکتا میں نے اپنی طرف آنکھ ہی نہیں کی تھی اس لئے وہ سوال بن گیا میں اپنی طرف آنکھ کرلوں تو وہ سوال ہی گم ہو جائے گا۔ وہ سوال جھوٹا ہے۔ وہ سوال میری پیٹھ کی وجہ سے پیدا ہو گیا۔

جیسے کوئی آدمی گھر میں پوچھے کہ اندھیرا کہاں ہے اور ہم اسے ایک چراغ دے دیں اور کہیں کہ چراغ لے جاؤ اور گھر میں ڈھونڈو کے اندھیرا کہاں ہے ؟ وہ چراغ لے کر جائے اور اندھیرا ڈھونڈے پر اندھیرا نہ ملنے پر وہ آدمی لوٹ کر کہے کہ بڑی مشکل ہے

میں چراغ لے کر گیا پر اندھیرا کہیں ملتا نہیں۔ اصل میں اندھیرا تھا کیونکہ وہاں چراغ نہیں تھا۔ اگر کوئی چراغ لے کر جائے تو وہاں اندھیرا نہیں رہے جائے گا۔ ہم نے کبھی اپنی طرف دھیان ہی نہیں کیا بس اتنا ہی سوال ہے کہ ہم ہیں ہم سدا سے ہیں ہم جانتے ہیں کہ کون ہیں کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ ہم نہ جانتے ہوں کہ ہم کون ہیں۔

ہم ٹھیک طرح سے جانتے ہیں کہ ہم کون ہیں۔ لیکن ہم نے اس طرف دھیان دینا ہی بند کر دیا۔ اور یاد رہے کہ ہمیں اسی کا پتہ چلتا ہے جس طرف ہمارا خیال کا مرکز ہوتا ہے یعنی جس طرف ہمارا خیال رک جائے ٹھہر جائے۔ میں کون ہوں یہ سوال اس لئے پیدا ہوا ہے کہ ہمارا خیال ہمارا شعور و حواس کسی اور طرف لگا ہوا ہے ہمارا خیال دوکان میں ہے دولت میں ہے بازار میں ہے بیوی بچے میں ہے۔ خیال ہر طرف ہے صرف وہاں جہاں ''میں ہوں'' اس جگہ نہیں ہے۔ ہر طرف خیال پھیلنے کی وجہ سے منتشر ہو گیا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ خیال وہیں مرکوز ہو گیا فٹ ہو گیا وہ اب پیچھے کی طرف لوٹتا بھی نہیں

اب لوٹانے کی کوشش کرو تو کچھ نہیں ہوتا ایسا لگتا ہے کہاں جائے ؟ کہاں جائے ؟ میں کہاں دیکھوں ؟ میں کیا کروں ؟ ۔ میں کون ہوں ؟ یہ کوئی جسمانی سوال نہیں ہے اس لئے میں نے کہا کہ وہ کوئی سوال نہیں ہے یہ ایسا سوال نہیں کہ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں یہ ایسا سوال نہیں کہ ممبئی کہاں ہے یہ ایسا سوال نہیں کہ زمین اور چاند کے درمیان کتنا فاصلہ ہے یہ ایسا سوال نہیں کہ ہائیڈروجن میں کتنے اٹم ہوتے ہیں یہ سوال ایسا نہیں جو کہیں جانچ پڑتال کرنے سے جواب مل جائے گا۔'' سچ بات تو یہ ہے کہ یہ صرف غیر متوجہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا سوال ہے۔''

یہ سوال بالکل جھوٹا سوال ہے اور جو سوال جھوٹا ہوتا ہے وہ سوال بہت خطرناک ہوتا ہے کیونکہ آپ اس کا جواب لے آئیں تو آپ بہت مشکل میں پڑ سکتے ہیں کیونکہ جو سوال ہی نہیں اس کا جواب ہی غلط ہونے والا ہے اس لئے میں کون ہوں اس کے جتنے جواب دیئے گئے ہیں سب غلط ہیں ۔ بغیر جانے کہتا ہوں کہ جو بھی جواب ہوگا غلط ہوگا چونکہ یہ سوال ہی غلط ہے یہ سوال صرف خیال کا ایک جگہ سے ہٹ جانا ہے۔

آپ پوچھتے ہیں میں کیا کروں ۔ ایک ہی راستہ ہے پوچھئے مت اور خیال کو سب جگہ سے ہٹا کر وہاں لے آئیں جہاں آپ ہیں۔ کہیں تو آپ ہیں؟ کہیں آپ بیٹھے ہیں۔ اگر میں پوچھوں کہ آپ کہاں ہیں تو آپ کہیں گے کہ میں فلاں جگہ بیٹھا ہوں یہ آپ نے اتنی بڑی جگہ میں سے خود کو مخصوص کر کے بتایا کہ ''ہاں'' میں یہاں ہوں اس جگہ کو بھول جائیں پھر ایک چھوٹی جگہ جو آپ کے جسم کی پانچ فٹ کی ہے پھر ایک جگہ ہے پھر وہاں خود کو تلاش کریں

کہ میں کہاں ہوں پھر خود کو مخصوص کریں کہ میں یہاں ہوں۔ اگر کوئی آپ سے کہے کہ آپ کے پیر کو کاٹ دیں تو آپ کٹ جاؤ گے۔ شاید آپ کہو کہ میرے پیر کے کٹ جانے سے میں کٹ جانے والا نہیں ہوں اس کا مطلب ہوا پیر کو الگ کیا جاسکتا ہے اور آپ ہوں گے اور رہو گے۔ اس طرح اپنے اندر ڈھونڈیں کہ کیا کیا الگ کیا جاسکتا ہے اور میں رہوں گا تب آپ اپنے اندر وہ مقام نقطۂ وحدت تلاش کرلیں گے کہ میں یہاں ہوں اور اس طرح کھوجتے چلے جائیں چھلتے چلے جائیں جیسے کوئی پیاز کو چھلتا ہو اور ایک ایک چھلکا اتارتے چلے جائیں اور کہہ دے کہ یہ بھی اوپر کا چھلکا ہے اس کو بھی پھینکتے ہیں ہم تو اور اندر جاتے ہیں اور اندر جاتے ہیں اور اندر جاتے ہیں ہر ایک چیز جو آپ چھوڑ سکتے ہیں چھوڑتے چلیں اگر آپ کی آنکھیں چلی جائیں تو کیا آپ کھو جاؤ گے آپ کہو گے کہ میں اندھا ہو جاؤں گا پر میں رہوں گا اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنکھ کے اندر سے کوئی جھانکتا تھا جو آنکھ نہیں تھا آنکھ بند ہوگئی کھڑکی بند ہوگئی جھانکنا مشکل ہوگیا پر جھانکنے والا اندر موجود ہے

جیسے میں ایک مکان کے اندر بیٹھا ہوں اور اس مکان کی کھڑکی میں سے آپ کو دیکھ رہا ہوں آپ نے کھڑکی بند کردی تو کیا میں مٹ گیا۔ کھڑکی بند ہوگئی اب میں آپ کو نہیں دیکھ پاتا ہوں کیونکہ بیچ میں دیوار حائل ہوگئی لیکن میں بتاؤں کہ میں اندر موجود ہوں۔ اپنے ایک ایک عضو و حواس پر غور کریں کہ یہ مٹ جائے تو میں رہوں گا تو آپ پائیں گے کہ آپ کے تمام اعضاء و حواس جانے پر بھی آپ کے ہونے میں رتی بھر فرق نہیں پڑتا اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کا پورا جسم بھی کھو جائے تو آپ نہیں کھوتے آپ ہیں۔

اس طرح خود کے خیال کو خود کی طرف لے جانے کا نام دھیان و مراقبہ ہے۔ وہ جو غیر متوجہ خیال پیدا ہو گیا تھا وہ آہستہ آہستہ لوٹتا چلا جاتا ہے اور آپ اس مقام پر پہنچ جائیں گے اس نقطۂ مرکز وحدت پر جہاں آپ کھڑے ہوتے ہی تمام اندھیرا مٹ جائے گا جو حقیقت میں تھا نہیں بلکہ آپ کی غیر موجودگی کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا اس مقام پر کھڑے ہوتے ہی اس کا پتہ چل جاتا ہے جو آپ ہیں۔

اور یہ بڑے مزے کی بات ہے کہ جس دن آپ کو پتہ چلتا ہے کہ ''کون ہیں آپ'' اس دن بہت ہنسی آتی ہے کیونکہ اس دن پتہ چلتا ہے کہ آپ ہی آپ ہیں اور کچھ ہے ہی نہیں اور جو بھی آپ کو دکھائی دے رہا ہے چاروں طرف جو پھیلاؤ وہ آپ کے ہی نقطۂ وحدت کی وسعت ہے وہ آپ سے ہی جڑا ہے۔ ایک ہی سمندر کئی لہروں میں مل رہا ہے اگر لہر پوچھنے جائے کون ہوں میں وہ اپنے اندر اتریں سمندر میں پہنچ جائے گی پھر وہ ہنسے گی کہ لہر تو نہیں ہوں میں۔ اس لئے ایک بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں جب آپ ڈھونڈنے چلیں گے کہ کون ہوں میں۔ تو جو جو آپ نے سمجھا ہوا ہے کہ یہ یہ ہوں یقیناً یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تو آپ اپنے کو نہیں پائیں گے کیونکہ وہ تو آپ ہیں ہی نہیں۔ جس دن آپ کو پتہ چلے گا کہ کون ہوں میں۔

اس دن آپ یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ میں یہ ہوں۔ اس دن آپ کہیں گے کہ میں کہاں نہیں ہوں اس دن یہ سوال نہیں کہ میں کہاں ہوں اس دن یہ سوال ہوگا کہ میں کہاں نہیں ہوں۔ اس دن یہ سوال نہیں ہوگا کہ میں خود کو کہاں ڈھونڈوں اس دن یہ سوال ہوگا کہ میں اپنے سے بچنا چاہوں تو کہاں

بچوں۔سب طرف میں ہی میں ہوں۔

ایک دن ایک فقیر نے اپنے دو مریدوں کو دو کبوتر دیا اور کہا کہ اس کو وہاں ذبح کرنا جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو ایک مرید اندھیری گوفہ میں اس کبوتر کو ذبح کر کے لے آیا فقیر نے کہا کہ آئندہ تو کبھی ادھر مت آنا۔دوسرے مرید کی تلاش کرائی گئی تقریباً چھ مہینے بعد۔۔۔

اسے پکڑا گیا اس مرید کی حالت خستہ تھی۔فقیر نے کہا کہ تو نے کبوتر ذبح کیوں نہ کیا۔مرید نے جواب دیا جیسا ہی میں کبوتر کو ذبح کرنے جا رہا تھا مجھے علم ہوا کہ میں تو دیکھ رہا ہوں جدھر بھی میں لے جاتا کبوتر کو پر میں تو موجود تھا فقیر نے کہا کہ تو اس قابل ہے کہ میں تجھے اپنے پاس رکھوں مرید نے کہا اب مجھے کسی چیز و جگہ کی ضرورت نہیں کیونکہ میں کبوتر مارنے کے لئے تنہا جگہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں اکیلا میں بچا اور جیسے ہی اکیلا میں بچا مجھے اس کا خیال آیا ''ارے یہ بھی میں''

اس دم ایک لمحے میں میں بھی کبوتر ہو گیا۔سب کچھ میں ہو گیا۔اب کس سے پوچھنا ہے اب کس سے جاننا ہے اب کس سے سیکھنا ہے۔کیا سیکھنا ہے بات ختم ہو گئی۔یہی وہ منزل ہے یہی وہ مقام ہے جہاں ساری حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ہی آپ اپنے خیال کو سب طرف سے لوٹا کر وہاں لے جائیں گے جہاں آپ ہیں پھر وہ باریک جگہ آئے گی جہاں ''دھماکہ'' ہوتا ہے اور ایک لمحہ میں سب کچھ بدل جاتا ہے سب کچھ نیا ہو جاتا ہے میں کون ہوں یہ کوئی فلسفانہ سوال نہیں ہے یہ روحانی مقام ہے یہ سوال نہیں یہ ایک کیفیت ہے یہ جو ہم سوال پوچھتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے

کہ ہم سوئے ہوئے ہیں ہمارا خیال کہیں اور بھٹک رہا ہے۔ ہمارا خیال وہاں نہیں ہے جہاں ہمارا ہونا ہے۔ ہمارا خیال وہاں ہے جہاں ہمارا ہونا نہیں ہے۔ ان دونوں کے بیچ میں ایک کھائی پیدا ہو گئی اس کھائی کو جو پورا کر لیتا ہے وہ جان لیتا ہے ''کون ہوں'' جو جان لیتا ہے ''کون ہوں''

پھر اسے جاننے اور پانے کو کچھ باقی نہیں رہے جاتا۔ جو جان لیتا ہے کون ہوں اس کی زندگی میں نہ سوال رہے جاتا ہے نہ پریشانی وہ ایسے ہو جاتا ہے جیسے ہوائیں، جیسے آسمان میں تیرتے ہوئے بادل جیسے درختوں پر کھلتے پھول، گرتے سوکھے پتے، جو ہوتا ہے وہ جانتا ہے، پھر نہ اس کا انکار ہے کہ یہ ہو۔ نہ اس کی کوئی عرض ہے یہ ''نہ ہو'' سب چیزیں قبول ہیں پھر جو ہوتا ہے وہ دیکھتا رہتا ہے (مقام شاہد الوجود) پھر جو نہیں ہوتا اس کو بھی قبول کر لیتا ہے پھر وہ زندگی میں ایسا جیتا ہے جیسے کسی بزرگ نے کہا ''میں جینے کے لئے تڑپتا تھا مجھے ایسا لگتا تھا کہ کل جیوں گا جنت میں جیوں گا سب اس لئے تھا کہ زندگی کا پتہ نہیں تھا جس دن سے جانا اس دن سے جی رہا ہوں۔''

یاد رہے جو تڑپتے ہیں وہ جیتے نہیں جو جیتے ہیں وہ تڑپتے نہیں اگر تھوڑی بھی تڑپ ہے اندر تو جانے کی زندگی اندر نہیں اگر زندگی ہے تو اندر ایک پرُ سکونیت ہو گی کوئی تڑپ نہ ہو گی۔

اسی بزرگ سے کسی نے پوچھا تم کیسے جیتے ہو بزرگ نے کہا کہ اب کیسے کا سوال نہ رہا کیسے کا مطلب تھا کہ میری کوئی خواہش تھی کہ ایسا جیوں گا اب کوئی خواہش باقی نہ رہی اب بھوک لگتی ہے تو کھاتا ہوں پیاس لگتی ہے تو پیتا ہوں نیند آجاتی ہے تو سو جاتا ہوں۔ اب اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتا ہوں۔ اب

جو ہوتا ہے وہ ہوتا رہتا ہے اس آدمی نے کہا کہ یہ ہم بھی کرتے رہتے ہیں جب بھوک لگتی ہے تو کھاتے ہیں جب پیاس لگتی ہے تو پیتے ہیں۔ بزرگ نے کہا کہ تم اس بھول میں مت رہنا ایسے آدمی زمین پر تلاش کرنے پر بھی بمشکل ملیں گے جو بھوک لگے تو کھاتے ہیں پیاس لگے تو پیتے ہیں (چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر) عام لوگ تب سوتے ہیں سونے کا جب وقت ہو تب کھاتے ہیں جب کھانے کا وقت ہو اس لئے نہیں کھاتے کہ بھوک ہے بلکہ اس لئے کھاتے ہیں کہ لذت ہے اس لئے نہیں سو جاتے کہ نیند ہے بلکہ اس لئے سو جاتے ہیں کہ رات ہے۔

بزرگ نے کہا کہ جب میں کھاتا ہوں تب میں کھاتا ہوں۔ جب میں سوتا ہوں تب میں سوتا ہوں اس آدمی نے کہا کہ یہ ہم بھی کرتے ہیں بزرگ نے جواب دیا تم کھاتے بھی ہو اور ساتھ میں ہزار کام اور بھی کرتے ہو۔

تم سوتے ہو اور ہزار خواب دیکھتے ہو تم کھانا کھاتے ہو تم دفتر میں بھی بیٹھتے ہو اس وقت تم ایک ساتھ کئی جگہ ہوتے ہو میں وہی ہوتا ہوں جہاں ہوتا ہوں اس آدمی نے کہا کہ ہمیں ٹھیک سے سمجھا دو کہ کیسے جیا کریں بزرگ نے کہا جب سے میں نے جانا میں سوکھے پتے کی طرح ہو گیا ہوں جو درخت سے گر چکا ہے ہوائیں آتی ہیں اور مشرق کی طرف لے جاتی ہیں میں مشرق کی طرف چلا جاتا ہوں۔ ہواؤں سے میں یہ نہیں کہتا کہ میں نہیں جاؤں گا مجھے تو مغرب کی طرف جانا تھا مجھے کہیں جانا ہی نہیں کیونکہ میں وہاں پہنچ گیا ہوں جس کے آگے کہیں جانا نہیں ہے ہوائیں مشرق لے جاتی ہیں میں ہواؤں پر سوار ہو جاتا ہوں۔ ہوائیں آسمان کی طرف اٹھا دیتی ہیں میں آسمان میں ناچتا

ہوں ہوائیں زمین میں گرادیتی ہیں تو میں سو جاتا ہوں آرام کرتا ہوں میں ایک سوکھا پتا ہو گیا ہوں۔ ہوائیں جہاں لے جاتی ہیں وہاں چلا جاتا ہوں نہیں لے جاتی تو نہیں جاتا ہوں۔ اب نہ جانے کی کوئی خواہش اور نہیں جانے کا نہ کوئی سوال، اب میری کوئی دوڑ نہیں اب صرف میں ہوں اور جو ہوتا ہے اسے دیکھتا رہتا ہوں۔

خیال رہے جو آدمی اس ''میں'' کے راز کو کھول لے گا وہ زندگی کے ساتھ ایک ہو جاتا ہے وہ ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسے جھرنے، جیسے آسمان تیرتے ہوئے بادل، جیسے پھول پرندے، جیسے چلتی ہوئی سانس، وہ زندگی کے ساتھ ایک ہو جاتا ہے۔ سب چیزیں ٹھہر جاتی ہیں۔

ٹھہرنے کا مطلب مر نہیں جاتی جیسے کوئی پرسکون تالاب ٹھہرا ہو۔ پوری زندگی پوری طاقت سے بھرا ہوا لیکن ٹھہرا ہوا۔ ایسے ٹھہرے ہوئے زندگی کے حالت میں یعنی سب ہو رہا ہے پر کوئی خواہش نہیں ایسے پرسکون شعور وحواس کی حالت میں جو کھلتا ہے اس کا نام کیف و مستی ہے۔ ایک ناچتا ہوا سکون اور اس کے مدمقابل جو کھلتا ہے اس کا نام غم و پریشانی ہے۔ لوگ غم کے مرکز پر کھڑے ہیں کیونکہ انھیں پتہ ہی نہیں کہ کون ہے وہ کیف و مستی کی منزل پر پہنچ سکتے ہیں۔ کاش انھیں پتہ ہو جائے کہ وہ کون ہیں۔ مستی و غم کے درمیان کا جو سفر ہے وہ ''میں کون ہوں'' اسے نہ جاننے سے اسے جاننے کے سفر کا نام ہے اور کہیں مسجد نہیں اور کہیں خدا نہیں اور کہیں مغفرت نہیں غم سے کیف و مستی کی طرف بڑھ جانا خدا کی طرف بڑھ جانا ہے غم سے کیف و مستی کی طرف بڑھ جانا مغفرت کی طرف بڑھ جانا ہے۔ غم سے کیف و مستی کی

طرف بڑھ جانا سچائی وحق کی طرف بڑھ جانا ہے لیکن جسے اپنا ہی پتہ نہ ہو اسے کیا کیف ومستی کا پتہ ہو "میں کون ہوں" اس کو کوئی فلسفانہ سوال مت سمجھنا اور اس کا جواب پانے کسی کتاب میں مت چلے جانا۔ اس کا جواب تلاش کرنا ہے تو اپنے خیال کو سکڑ کر جو چاروں طرف پھیلا ہے اسے واپس بلانا کہ گھر واپس آ ؤ جیسے شام کو سارے پرندے اپنے اپنے گھونسلے میں لوٹتے ہیں ایسے ہی اہل تصوف اپنے خیالوں کی کرنوں کو اپنے خیالوں کے پرندوں کو جو سب طرف اڑ گئے ہیں انھیں واپس بلانے لگتا ہے وہ جس دن سب اپنے گھر لوٹ آتے ہیں سارا خیال جب اندر کی طرف بیٹھ جاتا ہے جیسے کوئی پرندہ اپنے گھونسلے میں بیٹھ جاتا ہے اسی دن باطن کے دروازہ کا بسم اللہ یعنی اجرا ہو جاتا ہے۔ یہ توجہ و غیر توجہ کے درمیان کا فاصلہ ہے یہ ایک سوال اور ایک جواب کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ وہ جو غیر توجہ ہیں توجہ ہو جائیں تو بات پوری ہو جائے۔ یاد رہے دھیان ومراقبہ کے جو برعکس ہے وہ آدمی سویا ہوا ہے۔

بدمذہب ہے دھیان ومراقبہ کے لئے جو بیدار ہے وہ صاحب مذہب ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ صوفی وہ ہے جو بیدار ہے۔ بیدار سے مراد جس کے خیال کی ساری لہریں اندر کی طرف دوڑتی ہوں اگر جاگ جائیں تو پتہ چلے گا کہ "میں کون ہوں" اگر سوتے رہیں تو پتہ ہے اور پتہ نہ چلے گا۔ اس لئے میں نے کہا کہ آسان بھی ہے اور کٹھن بھی چاہے تو آج بھی ہو سکتا ہے نہ چاہے تو ستر قیامت تک معلوم نہیں ہو سکتا کہ "میں کون ہوں۔"

اہلِ سلسلہ حضرت پیر فہمی مدظلہ العالی کے خدمات

کلمۂ طیبت کا طغرہ

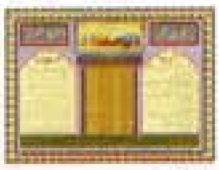

شش جہت کا طغرہ

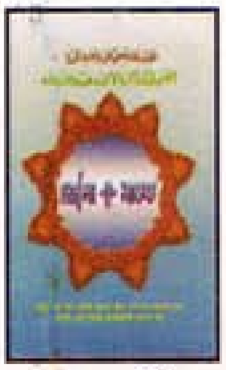

آئینہ معروف (ہندی)

پیر کامل (ہندی)

تخلیق آدم (ہندی)

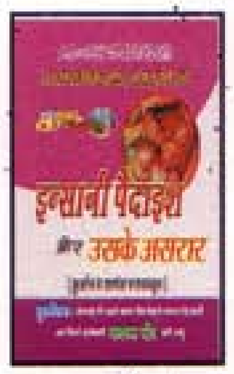

انسانی پیدائش (ہندی)

نورالایمان (اُردو)

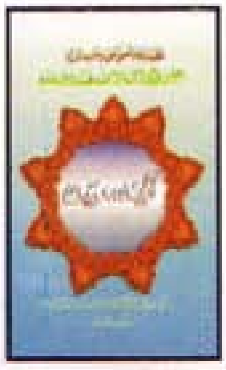

آئینہ معروف (اُردو)

پیر کامل (اُردو)

تخلیق آدم (اُردو)

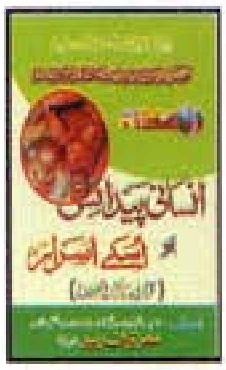

انسانی پیدائش (اُردو)

بیانِ معروف

عرفانی بیانوں کی وِیڈیو (VCD) کیسٹیں

۱۔تصوف	۲۔معرفت	۳۔سفرِ باطن (اول)	۴۔سفرِ باطن (دوم)
۵۔نور وظلمات	۶۔طالبِ مولیٰ	۷۔شبِ معراج	۸۔گنجِ مخفی
۹۔بیعتِ حقیقی	۱۰۔تخلیقِ آدم (اول)	۱۱۔تخلیقِ آدم (دوم)	۱۲۔تخلیقِ آدم (سوم)
۱۳۔رازِ محمدی	۱۴۔فنابقا	۱۵۔صوتِ سرمدی	وغیرہ

خاکپائے پیر فہمی خواجہ شیخ محمد فاروق شاہ قادری الچشتی افتخاری معروف پیر عفی عنہ

پتہ : بھگت سنگھ نگر نمبر ۱، مسجد طیبہ کے مقابل، لنک روڈ، گوریگاوں (ویسٹ) ممبئی۔۱۰۴

Mobiles : 9869 158 482 / 9324 832 490 Phone : 022 - 3243 9857.

E-mail : maroofpeer@yahoo.com E-mail : peermaroof@yahoo.com

Designing & Printing By Decent Art : 9867 914 724 / 022 - 6418 0700